گلدستۂ حدیث

چہل حدیث

مولانا محمد یوسف اصلاحی

ذکری انٹرنیشنل پبلشرز دہلی

BOOKS

سلسلۂ مطبوعات ذکری انٹرنیشنل پبلشرز، دہلی —— (۱۲)

گلدستۂ حدیث

(چالیس احادیث)

مولانا محمد یوسف اصلاحی

BOOKS

ذکری انٹرنیشنل پبلشرز دہلی

اردو مارکیٹ، ۵۰۷، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی–۱۱۰۰۰۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعارف

رسولِ پاک ﷺ کی چالیس حدیثوں کا یہ مختصر مجموعہ ''گلدستۂ حدیث'' پیش کرتے ہوئے رُواں رُواں جذباتِ شکر سے سرشار ہے۔ کتنا بڑا فضل و احسان ہے پروردگارِ کریم کا کہ اُس نے اِس خدمت کی توفیق و سعادت بخشی۔ توقّع ہے کہ انشاء اللہ یہ مجموعہ ہر مُسلمان مَرد و عورت، طلبہ اور طالبات کے لیے انتہائی مُفید ہوگا۔ اور عہدِ حاضر میں زندگی کے ہر اہم شعبے سے متعلق ان کی عام ضرورتوں میں قابلِ اعتماد رہنما اور بہترین رفیق ثابت ہوگا۔ اس مختصر مجموعے میں حسبِ ذیل باتوں کا اہتمام کیا گیا ہے:۔

ا۔ احادیث مختصر، جامع اور روایت و درایت کے لحاظ سے نہایت ہی قابلِ اعتماد منتخب کی گئی ہیں اور انتہائی محنت و کاوش سے ان پر اعراب لگائے گئے ہیں تاکہ ہر مسلمان رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے کلمات کا صحیح صحیح تلفظ

کر سکے اور پھر یہ بھی اُمید ہے کہ بہت سے لوگ خود اور اپنے بچّوں کو بھی یہ مختصر حدیثیں یاد کرائیں گے۔

۲۔ ترجمہ نہایت آسان، تشریح مختصر مگر جامع، عام فہم اور دل نشیں انداز میں کی گئی ہے۔

۳۔ فوٹو آفسٹ کی نہایت عمدہ دیدہ زیب طباعت، بہترین کاغذ، دل کش ٹائٹل اور کمپیوٹر کی معیاری کتابت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ احادیث کا متن قرآنک عربی میں دیا گیا ہے تاکہ بآسانی پڑھا جاسکے۔

تمام خوبیوں سے آراستہ تازہ ایڈیشن پیشِ خدمت ہے۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ اس خدمت کو ہم سب کے لیے ذریعۂ ہدایت اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین۔

محمد یوسف اصلاحی

گلدستۂ حدیث

١	خدا کی سب سے بڑی نعمت	٨
٢	اللہ پر ایمان	١١
٣	ایمان کا مزہ	١٣
٤	توحید کا صلہ	١٥
٥	توحید کا پاس و ادب	١٧
٦	غیرتِ حق	١٨
٧	محبتِ رسولؐ	٢٠
٨	اتباعِ رسولؐ	٢٤
٩	آسان حساب	٢٧
١٠	یومِ عظیم کا ایک منظر	٢٩
١١	تین نازک گھڑیاں	٣٣
١٢	موت کے لمحات میں	٣٧
١٣	ارکانِ اسلام	٤٠
١٤	اسلامی آداب	٤٣
١٥	دانا، رسولؐ کی نظر میں	٤٧
١٦	اللہ والے	٤٩
١٧	تین نیکیاں، تین صلے	٥٠
١٨	خدا کی تین نعمتیں	٥٥
١٩	مسلم کی مثال	٥٩
٢٠	دین کی مزاج شناسی	٦٢
٢١	رضائے الٰہی چاہنے والے کا صلہ	٦٥
٢٢	مومن کی کیفیت	٧١

۲۳	استخارہ، مشورہ، میانہ روی	۷۳	۳۲	نارِ جہنم سے آڑ	۱۰۲
۲۴	تکبر، اور اس کا ہولناک انجام	۷۹	۳۳	اولاد کے ساتھ حُسنِ سلوک	۱۰۴
۲۵	ہدایت کے دو سرچشمے	۸۲	۳۴	سب سے اچھی عورت	۱۰۶
۲۶	تلاوتِ قرآن	۸۵	۳۵	سب سے اچھا مرد	۱۱۰
۲۷	حلال روزی	۸۷	۳۶	ایمانی رشتہ	۱۱۳
۲۸	لین دین میں نرمی اور فراخدلی	۹۰	۳۷	مسلمان معاشرے کا بہترین گھر	۱۱۶
۲۹	قرض دینے کی ترغیب	۹۲	۳۸	خدمتِ خلق	۱۱۹
۳۰	ادائے قرض سے غفلت بدترین گناہ	۹۵	۳۹	اقامتِ دین	۱۲۳
۳۱	اطاعتِ والدین کا درجۂ کمال	۹۹	۴۰	نفاق اور جہنم سے محفوظ بندہ	۱۲۵

☆☆☆

خدا کی سب سے بڑی نعمت

(۱)

عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْاُمَّةُ قَائِمَةً عَلٰى اَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ۔
(بخاری، مسلم، ابن ماجہ)

"حضرتِ مُعاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ خدا اپنے جس بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اُس کو دین کی سوجھ بوجھ اور بصیرت عطا فرما دیتا ہے۔ (اور فرمایا) میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں دینے والا تو اللہ ہے۔ اور یہ اُمّت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی جو بھی اس کی مخالفت کرے گا اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ یہاں تک کہ امرِ الٰہی آجائے۔"

یہ مختصر حدیث انتہائی جامع ہے آپؐ نے انتہائی حکمت کے ساتھ اس

حدیث میں تین باتیں ذہن نشین کرائی ہیں۔

۱۔ خدا کی سب سے بڑی نعمت دین کی بصیرت ہے۔

۲۔ رسول جو کچھ پہنچاتے ہیں وہ خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔

۳۔ یہ اُمّت قیامت تک حق پر قائم رہے گی۔

دولت، عزت، شہرت، اقتدار، صحت، اولاد، سب خدا کی نعمتیں ہیں مگر خدا جب کسی بندے پر خصوصی فضل فرماتا ہے اور اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے وہ نعمت عطا کرتا ہے جو خدا کی نظر میں ساری نعمتوں سے بڑی نعمت ہے یعنی دین کی سوجھ بوجھ اور بصیرت، دین کی سوجھ بوجھ یہ ہے کہ آدمی دین کی منشا اور رُوح کو سمجھے، دین کا مزاج شناس ہو اور وہ ہر طرح کے نرم گرم حالات میں دین کی صحیح تعمیل اور نمائندگی کر سکے، وہ یونہی سادہ لوحی، بے شعوری کے ساتھ اندھی تقلید نہ کرے بلکہ پورے شعور، کامل یقین اور بیدار مغزی کے ساتھ یہ سمجھ کر دین کی اتباع کرے کہ دونوں جہان کی فلاح و کامرانی کی واحد راہ یہی ہے۔

دینی بصیرت کی نعمت سے خدا جس بندے کو نوازے وہ اس بنیادی تعلیم کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے کہ رسولؐ جو کچھ پیش کرتے ہیں وہ ان کی اپنی فکر کی

پیداوار نہیں ہے بلکہ خدا کا دیا ہوا ہے۔ اس بنیادی تعلیم کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ آدمی رسولؐ کی صحیح حیثیت کو ہمیشہ یاد رکھے گا۔ وہ کبھی عقیدت کے غلو کا شکار ہوکر رسولؐ کو خدا بنانے کی گمراہی میں مبتلا نہ ہوگا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ دل و جان سے رسولؐ کی اتّباع کریگا اس لئے کہ ہدایت کا سرچشمہ خدا ہی کی ذات ہے اور خدا کی ہدایت پانے کا ذریعہ خدا کے رسول ہی ہیں۔ یہ دو حقیقتیں سامنے رہیں تو آدمی کبھی گمراہی کا شکار نہیں ہوسکتا۔

تیسری بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتائی کہ یہ اُمت حق پر قائم رہے گی یہاں تک کہ امرِ الٰہی آجائے یعنی قیامت آجائے۔ یہ ایک پیشین گوئی بھی ہے تسلی اور دل کے بڑھاوے کا سامان بھی ہے اور یہ ترغیب بھی کہ مومن کو ہر حال میں دین پر قائم رہنا چاہیے چاہے زمانہ کسی طرف جارہا ہو اور حالات کیسے ہی ناسازگار ہوں، مومن کو کوئی طاقت نقصان نہیں پہنچاسکتی اس لئے کہ نفع نقصان صرف اس خدا کے قبضے میں ہے، جس نے ہر حال میں دین پر قائم رہنے کی ہدایت فرمائی ہے اور وہ کسی پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

◆◆◆

اللہ پر ایمان

(۲)

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِاللهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ!
قُلْ لِّيْ فِي الْاِسْلَامِ قَوْلًا لَا اَسْأَلُ عَنْهُ اَحَدًا بَعْدَكَ قَالَ:
قُلْ اٰمَنْتُ بِاللهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ (مسلم ج ۱ ص ۴۸)

''سفیان بن عبداللہ الثقفیؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا' یارسول اللہ! مجھے اسلام کے بارے میں ایسی جامع بات بتا دیجیے کہ آپؐ کے بعد پھر مجھے کسی سے کچھ پوچھنا نہ پڑے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہو میں ''اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر جم جاؤ۔''

دو فقروں پر مشتمل یہ حدیث انتہائی جامع ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ پر ایمان لا کر آدمی ہر حال میں اس پر ثابت قدم رہے تو پھر اسے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے، اور اللہ پر کس

طرح ایمان لانا مطلوب اور معتبر ہے، یہ بات البتہ سمجھنے کی ہے اور اس سلسلے میں ذہن صاف رہنا چاہیے۔ اللہ پر ایمان صرف وہی معتبر اور مطلوب ہے جو رسولؐ کی تعلیم وہدایت کے مطابق ہو، اور ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مفہوم بھی اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں انسان اللہ کی اطاعت کرے اور مرتے دَم تک کرتا رہے۔ رسولؐ سے بے نیاز ہو کر اللہ پر من مانے انداز میں ایمان، اور اپنی خواہش کے مطابق اللہ کی اطاعت کا دین میں کوئی وزن اور اعتبار نہیں ہے، حدیث کا صاف واضح مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وہدایت کے مطابق اللہ پر ایمان لایا جائے اور پھر زندگی بھر رسولؐ کی پیروی میں خدا کی اطاعت اور فرماں برداری پر ثابت قدم رہا جائے۔ اور کسی حال میں بھی رسولؐ کی سنّت سے انحراف نہ کیا جائے۔ اللہ پر ایمان دراصل اللہ سے بندگی کا عہد ہے۔ اس عہد کو پورا کرنے کی شکل یہی ہے کہ آدمی اپنی پوری زندگی میں اور مرتے دم تک خدا کے احکام کی مکمل پیروی کرے۔ اسی کا نام استقامت ہے۔ ایمان باللہ اور اس پر استقامت یہی اسلام کی روح اور خلاصہ ہے۔ جو شخص اس پر کاربند ہے اسے پھر کسی سے کچھ پوچھنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔

◆◆◆

ایمان کا مزہ

(۳)

عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاقَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ رَّضِیَ بِاللّٰہِ رَبًّا وَ بِالْاِسْلَامِ دِیْناً وَ بِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلاً (مسلم۔ مشکوٰۃ ص ۴)

”حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”اس شخص نے ایمان کا مزہ پالیا جو اللہ کے رب، اسلام کے دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسولؐ ہونے پر دل سے راضی اور مطمئن ہو گیا۔“

ایمان کا مزہ تو وہی شخص پا سکتا ہے جو واقعی صاحبِ ایمان ہو۔ وہ شخص ایمان کا مزہ کیا جانے جو محض زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتا ہو۔

ایمان کا مزہ اس نے پایا، جس نے اللہ کو اپنا رب مانا، اور دل کی گہرائی سے اس طرح مانا کہ اس کا دل اللہ کو رب ماننے پر راضی اور مطمئن ہو گیا ہے، وہ

صرف اسی کو آقا تسلیم کر کے اسی کی بندگی کرتا ہے، اسی سے مدد چاہتا ہے، ہر مشکل میں اسی کو پکارتا ہے اور صرف اسی کی رضا کا طالب ہے۔

ایمان کا مزہ اُس نے پایا، جس نے واقعی اسلام کو اپنا دین اور اپنا طریقۂ زندگی بنالیا، اور اس کا دل اس پر راضی اور مطمئن ہے کہ اسلام ہی دینِ حق ہے یہی اس کی فلاح و کامرانی کا ضامن ہے، اسی پر چلنے میں اس کی نجات ہے، اور یکسوئی اور شرحِ صدر کے ساتھ اسی راہ پر وہ گامزن ہے۔ ایمان کا مزہ اس نے پایا، جس نے واقعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول مان لیا وہ دل وجان سے آپؐ کی پیروی کر رہا ہے۔ اس کا دل پوری طرح اس پر مطمئن ہے کہ رسولؐ کی پیروی میں ہی دنیا کی کامیابی اور آخرت کی فلاح ہے، وہ دل کی پوری آمادگی اور رغبت کے ساتھ سنّت کی اتّباع کر رہا ہے اور اتّباعِ رسولؐ ہی میں سکون و اطمینان اور سرور و مسرّت محسوس کرتا ہے۔ جو شخص محض اس لئے مسلمان ہے کہ اس کے باپ دادا مسلمان تھے، یا کچھ دُنیوی مفادات کی خاطر اس نے بظاہر اسلام اختیار کر رکھا ہے تو اگرچہ اس کا شمار مسلمانوں میں ہوگا لیکن ایسے محروم شخص کو یہ کیا معلوم کہ ایمان کی اصل لذّت اور حقیقی مزہ کیا ہے۔ ◆◆◆

توحید کا صِلہ

(۴)

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (مسلم)

"حضرت عثمان بن عفّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جو شخص اس حال میں مرا کہ اسے یہ یقین تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو وہ جنت میں داخل ہوگیا۔"

جس شخص کا خاتمہ اس حال میں ہوا کہ وہ خدا کو ہی اپنا معبود جانتا تھا، اور اس کو یہ یقین حاصل تھا کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے تو وہ یقیناً جنّتی ہے، توحید کا صلہ جنت ہی ہے۔ حدیث میں یَعْلَمُ کا لفظ صرف جاننے کے معنی میں نہیں ہے بلکہ یقین کرنے کے معنی میں ہے۔ علم کے معنی یقین کے بھی آتے ہیں، اور دوسری روایات سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے، دوسری روایات میں

ہے مُسْتَیْقِنًا بِھَا قَلْبُہٗ، صِدْقًا بِھَا قَلْبُہٗ، یعنی دل سے وہ اس حقیقت کو سچا مانتا تھا اور اُسے یقین حاصل تھا۔

اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جس کو توحید کا پختہ یقین حاصل ہوگا' اس کے سیرت و کردار پر اس کے خوش گوار اثرات ضرور نظر آئیں گے۔ اور زندگی کے تمام گوشوں پر اسلامی رنگ ضرور نمایاں ہوگا۔

اس حدیث سے یہ غلط فہمی ہرگز نہ ہونی چاہیے کہ نجات کے لئے صرف توحید کا قائل ہونا ہی کافی ہے۔ رسالت یا دوسرے عقائد پر ایمان ضروری نہیں ہے۔ دراصل خدا کے نزدیک توحید کا صرف وہی تصور مقبول ہے جو خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہمیں معلوم ہو، جو شخص رسولؐ اور رسولؐ کی تعلیمات پر ایمان نہیں لاتا وہ توحید کے صحیح اور مقبول مفہوم پر ایمان کیسے لاسکتا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ" کہہ کر پورے کلمۂ شہادت کی طرف اشارہ کیا ہو، اسی کی تائید صحیح مسلم کی ایک اور روایت سے بھی ہوتی ہے، حضرت عبادہ بن الصّامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا "جو شخص اس کی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اس پر اللہ جہنّم کی آگ حرام کردیتا ہے۔"

توحید کا پاس وادب

(۵)

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِیَسْأَلْ اَحَدُکُمْ رَبَّہٗ حَاجَتَہٗ کُلَّھَا حَتّٰی یَسْأَلَ شِسْعَ نَعْلِہٖ اِذَا انْقَطَعَ۔ (جامع ترمذی)

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اپنی ساری حاجتوں کے لئے صرف اپنے رب سے ہی سوال کرے، یہاں تک کہ اگر اس کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اُسی سے مانگے۔"

توحید کے معاملے میں مومن کو بہت زیادہ حسّاس ہونا چاہیے اور کبھی توحید کے پاس وادب سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ انسان کی ساری ضرورتوں کو خدا ہی پورا کرتا ہے، مشکلات ومصائب کو دور کرنا اُسی کا کام ہے، بگڑی وہی بناتا ہے، اُس کے سوا کوئی طاقت نہیں ہے جو بندے کو کوئی فائدہ پہونچا سکے، یا اس کی مشکل حل کر سکے، توحید پر ایمان رکھنے والے کی شان یہی ہے کہ وہ اپنی حاجتوں

کو صرف اپنے رب کے سامنے ہی رکھے، اور کسی معمولی سے معمولی ضرورت کیلئے بھی وہ خدا کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔ ♦♦♦

غیرتِ حق

(۶)

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہ قَالَتْ مَاضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْأً قَطُّ بِيَدِهٖ وَلَا امْرَأَةً وَلَا خَادِمًا اِلَّا اَنْ يُّجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا نِيْلَ مِنْهُ شَيْءٌ مِنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ تَعَالٰى۔ (صحیح مسلم)

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو نہیں مارا، نہ کسی بیوی کو مارا، نہ کسی خدمت گزار کو اور نہ کسی اور کو، البتہ خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے آپؐ نے دشمنانِ دین پر ضرور ہاتھ اٹھایا ہے اور آپؐ کو جب کبھی کسی نے کوئی دُکھ دیا ہے، دُکھ دینے والے سے آپؐ نے کبھی بدلہ نہیں لیا ہے، مگر جب کوئی خدا کی شریعت کی بے حرمتی اور نافرمانی کرتا، تو آپؐ خدا کے لیے ضرور بدلہ لیتے۔''

عملی زندگی میں یہ ممکن ہی نہیں کہ ہر بات ہماری خواہش، مزاج، عادت اور مفاد کے مطابق ہو۔ خانگی، خاندانی اور سماجی زندگی میں طرح طرح کے لوگوں سے ہمیں معاملات کرنا پڑتے ہیں، کسی کا ہم پر حق ہے اور کسی پر ہمارا، کوئی ہم سے چھوٹا ہے کوئی بڑا۔ ہر ایک کا مزاج، اندازِ فکر، عادت، خصلت اور قوّتِ برداشت مختلف ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کبھی ہمارے جذبات کو ٹھیس نہ لگے۔ کبھی کسی سے ہمیں دُکھ نہ پہنچے۔ کبھی کسی کی وجہ سے ہمارا نقصان نہ ہو۔ اور کسی کے خلاف ہمارے دل میں انتقامی جذبات نہ پیدا ہوں اور ہم غصّے کا شکار نہ ہوں —— ایسے تمام مواقع پر ہم کیا کریں؟ حیاتِ طیّبہ ؐ کی یہ جھلک ہمیں بتاتی ہے کہ جب ہمارا ذاتی معاملہ ہو، کوئی ہمیں دُکھ پہنچائے اور ہمارا مالی نقصان کرے تو ہم صبر و ضبط اور عفو و درگذر سے کام لیں اور انتقامی جذبات سے مغلوب ہو کر انتقامی کارروائی نہ کریں بلکہ عالی ظرفی اور بلند ہمّتی کا مظاہرہ کریں۔ البتہ جب کوئی بدنصیب خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں ہماری غیرت کو چیلنج کرے تو ہم ہرگز خاموشی اختیار نہ کریں۔ ایسے موقعوں پر خاموشی ہماری دینی موت ہے، مومن کی غیرت خدا اور دین کی توہین ہرگز برداشت نہیں کرسکتی۔ ◆◆◆

محبتِ رسول ﷺ

(۷)

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ کتاب الایمان)

"حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک میں اُس کے لیے اُس کے باپ سے، اُس کی اولاد سے اور سارے انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔"

یعنی حقیقت میں مومن کہلانے کا مستحق وہی شخص ہے، جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سب سے زیادہ ہو اور یہ محبت ہر ایک کی محبت پر غالب ہو، قرآن کا ارشاد ہے۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ "بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو مومنوں کے لیے ان کی اپنی جانوں سے بھی بڑھ کر ہیں"۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُمت پر جو عظیم احسان کیا ہے نہ اس کی مثال ممکن ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ اُمت اس کا بدلہ چُکا سکے، آپؐ ہی کے ذریعے وہ جہالت اور گمراہی کی تاریکیوں سے باہر آئی، آپؐ ہی کی ہدایت سے اُسے اسلام کی سیدھی شاہراہ ملی اور آپؐ کی ہی شفاعت سے آخرت میں اُسے نجات اور فلاح نصیب ہوگی۔ ایسے محسنِ اعظمؐ کا حق واقعی یہ ہے کہ نہ صرف اولاد اور ماں باپ سے زیادہ بلکہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ اُس سے محبت کی جائے۔ یقیناً آپؐ کی محبت ہی مومن کا سب سے بڑا سرمایہ ہے، ایک موقع پر آپؐ نے بڑے عجیب انداز میں اُن لوگوں کا ذکر فرمایا جو آپؐ سے شدید محبت رکھنے والے ہیں، ارشاد فرمایا۔

> ”میری اُمت میں سب سے زیادہ مجھے چاہنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک کی یہ تمنّا ہوگی کہ کاش وہ اپنا گھر بار اور اپنا مال ومتاع سب کچھ قربان کر کے ہی مجھے ایک نظر دیکھ لیتا۔“ (مسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت یہ بھی ہے کہ آپؐ کی سنّت اور آپؐ کے لائے ہوئے دین سے محبت ہو، ہر حال میں دل وجان سے اس کی پیروی کی جائے اور زندگی کے ہر شعبے میں دین کی ہدایات پر عمل کیا جائے۔ جب آپؐ کی سنّت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں۔ اور یہ دُعا کرتے رہیں کہ پروردگار! آخرت میں انہی کے ساتھ ہمارا حشر ہو اور انہی کی معیّت اور رفاقت ہمیں نصیب ہو۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "قیامت کے روز میرے سب سے زیادہ قریب اور عزیز وہ ہوں گے جو دُنیا میں کثرت سے مجھ پر درود وسلام بھیجیں گے۔" (ترمذی)

درود وسلام کی کثرت دراصل ایک پیمانہ ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آدمی کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ لگاؤ اور تعلق ہے۔ یہ تعلق ہی اُسے مسلسل اُکساتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے محسنؐ اور محبوبؐ کو یاد کرے۔ اس تعلق کا صِلہ حشر میں یہ ہوگا کہ ایسے شخص کو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل ہوگا۔ اور دُنیا میں یہ کہ اس کے درود وسلام کے جواب میں خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم اس کو سلام کہیں گے، اور جس خوش نصیب کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سلام کہیں اس کو دونوں جہاں کی سلامتی نصیب نہ ہوگی تو پھر کس کو ہوگی۔

آپؐ کا ارشاد ہے۔

"جب بھی کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو خدا میری رُوح مجھے پلٹا دیتا ہے اور میں خود جواب میں اس کو سلام کہتا ہوں۔" (ابوداؤد)

◆◆◆

اتّباعِ رسول ﷺ

(۸)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبْعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ (مشکوٰۃ ص ۲۲)

''حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا، تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے ارادے اور خواہشات اس شریعت کے تابع نہ ہوجائیں جو میں لے کر آیا ہوں۔''

ایمان ایک دعویٰ ہے اور یہ دعویٰ اُسی وقت ماننے جانے کے قابل ہے جب عملی زندگی اس کی شہادت دے، عملی زندگی میں اس دعوے کے سچا یا جھوٹا ہونے کی کسوٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی لائی ہوئی شریعت ہے۔ معتبر اور مطلوب ایمان یہ ہے کہ آدمی کی خواہشات، ارادے، نفس کے میلانات اور قلب کے رجحانات سب کچھ شریعت کے تابع ہوجائیں اور ایمان کا دعویٰ کرنے والا

دل وجان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتّباع کرے۔

خدا سے محبت اور خدا پر ایمان کا دعویٰ بالکل بے معنی ہے اگر زندگی رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی اور اتّباعِ سنّت سے آزاد ہے۔ اللہ نے خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ بات صاف صاف کہلوائی ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ (آلعمران ۳۱)

"اے رسولؐ! لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔"

رسولؐ کی پیروی ہی دراصل اللہ کی اطاعت ہے۔ رسولؐ کی اتّباع سے آزاد اللہ کی اطاعت کا اسلام میں کوئی تصوّر نہیں ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔

"جس نے رسولؐ کی اطاعت کی حقیقت میں اس نے اللہ کی اطاعت کی"۔

خدا اسی لیے رسول کو بھیجتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ رسول ہی کے ذریعے بندوں کو معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی اطاعت کا طریقہ کیا ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

"اور ہم نے ہر رسول اسی لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔"

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین ہیں۔ اب اس سرزمین پر رہتی زندگی تک خدا کی اطاعت کا صرف ایک ہی ذریعہ اور طریقہ ہے کہ اخلاص اور یکسوئی کے ساتھ آپ کی لائی ہوئی شریعت اور ہدایت کی اتباع کی جائے۔ آپؐ سے بے نیاز ہو کر یا آپؐ کی اطاعت سے سرتابی کر کے ہدایت پانے اور خدا کے یہاں نجات حاصل کرنے کا تصور سراسر فریب اور گمراہی ہے۔ دنیا میں فلاح و کامرانی اور آخرت میں نجات و رضائے الٰہی صرف وہی لوگ پا سکتے ہیں جو سچے دل سے آپؐ کی اتّباع کریں۔ آپؐ کا ارشاد ہے۔

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے اگر موسیٰ تمہارے سامنے آجائیں اور تم ان کی پیروی کرو اور مجھے چھوڑ دو تو تم یقیناً سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے۔ اگر موسیٰ زندہ ہوتے اور میرا زمانۂ نبوت پاتے تو میری ہی پیروی کرتے۔''

اور ایک روایت میں ہے کہ ''میری اتّباع کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارۂ کار ہی نہ ہوتا۔'' (مسند احمد، دارمی، مشکوٰۃ ص ۳۲)

ایک اور موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

''میری اُمت کے سارے ہی لوگ جنت میں جائیں گے سوا ان کے جو

انکار کریں۔ پوچھا گیا، انکار کرنے والا کون ہے؟ ارشاد فرمایا۔ ”جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی تو حقیقت میں اس نے میرا انکار کیا۔“ (صحیح بخاری)

عملی زندگی میں رسول کے احکام کی دانستہ نافرمانی اور مسلسل نافرمانی دراصل رسول کا انکار ہے اور رسول کا نافرمان اور منکر جنت کا نہیں جہنّم کا مستحق ہے ایمان واسلام کی اصل کسوٹی اتّباعِ رسول ہے۔ دوسروں کو محبتِ رسول کے دعوؤں سے مرعوب کرنے اور اپنی چرب زبانی سے عشقِ رسول جتانے کے بجائے آدمی کو چاہیے کہ وہ اس کسوٹی پر خود اپنے ایمان واسلام کو جانچے اور اپنے رب اور اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کی فکر کرے۔ ◆◆◆

آسان حساب

(۹)

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ بَعْضِ صَلٰوتِهٖ ”اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَّسِيْرًا“ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ مَا الْحِسَابُ الْيَسِيْرُ؟ قَالَ: اَنْ

يُّنظَرَ فِيْ كِتَابِهٖ فَيُتَجَاوَزُ عَنْهُ. اِنَّهٗ مَنْ نُّوْقِشَ الْحِسَابَ يَوْمَئِذٍ يَا عَائِشَةُ هَلَكَ۔ (احمد)

''حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بعض نمازوں میں یہ دعا کرتے سنا ''اے اللہ! مجھ سے آسان محاسبہ فرما!'' میں نے پوچھا اے اللہ کے نبی! آسان محاسبے کا مطلب کیا ہے۔ ارشاد فرمایا۔ ''آسان محاسبہ یہ ہے کہ بندے کے اعمال نامے پر ایک نظر ڈال کر اس سے درگزر کی جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دن جس سے حساب میں جرح کی گئی تو اے عائشہ! (اس کی خیر نہیں) وہ تو ہلاک ہو گیا۔''

حساب کتاب کا یہ دن بہر حال آنا ہے، وہ گھڑی بڑی ہی نازک ہو گی جب دفترِ عمل ہاتھ میں دیا جائے گا۔ کس قدر خوش نصیب ہوں گے وہ لوگ جن کے اعمال نامے پر پروردگار یونہی ایک نظر ڈال کر درگزر فرمائے گا۔ قرآن پاک میں اسی حساب یسیر کا ذکر کیا گیا ہے۔

''جس کا نامۂ عمل اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے لوگوں کی طرف خوش خوش پلٹے گا۔'' (انشقاق)

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا ہمیں چونکاتی ہے کہ ہم اس آنے

والے دن کی فکر سے غافل نہ رہیں، اور ایسا نامۂ عمل تیار کرتے رہیں جس کو ایک نظر دیکھ کر خدا درگزر فرمائے۔ ہماری دعا اُسی وقت برمحل ہوگی جب عملاً بھی ہم ایسا ہی دفترِ عمل تیار کرنے کی فکر رکھیں۔ یہ تو حقیقت ہے کہ اس گھڑی خدا نے جس سے حساب میں جرح فرمائی اس کی خیر نہیں، خدا کی گرفت سے بھلا اُسے کون بچا سکتا ہے۔ کیسا محروم ہے وہ بندہ جو حسابِ یسیر کی دعا سے محروم ہے۔ ◆◆◆

یومِ عظیم کا ایک منظر

(۱۰)

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ اِذْ رَأَیْنَاهُ ضَحِكَ حَتّٰی بَدَتْ ثَنَایَاهُ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ مَا اَضْحَكَكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ قَالَ رُجُلَانِ مِنْ اُمَّتِیْ جَثَیَا بَیْنَ یَدَیْ رَبِّ الْعِزَّةِ فَقَالَ اَحَدُهُمَا یَا رَبِّ خُذْ لِیْ مَظْلِمَتِیْ مِنْ اَخِیْ فَقَالَ اللّٰهُ

كَيْفَ تَصْنَعُ بِأَخِيْكَ وَلَمْ يَبْقَ مِنْ حَسَنَاتِهٖ شَيْءٌ قَالَ يَارَبِّ فَلْيَحْمِلْ مِنْ اَوْزَارِيْ، وَفَاضَتْ عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبُكَاءِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ ذَالِكَ لَيَوْمٌ عَظِيْمٌ يَحْتَاجُ النَّاسُ اَنْ يُّحْمَلَ عَنْهُمْ مِنْ اَوْزَارِهِمْ۔

(ترغیب وترهیب بحوالہ حاکم)

"حضرت انس رضؓ بن مالک کا بیان ہے" حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف فرما تھے کہ یکا یک ہنسنے لگے اور ایسے ہنسے کہ آپؐ کے سامنے کے دندانِ مبارک صاف نظر آنے لگے۔ حاضرین مجلس میں سے عمرؓ نے آپؐ سے پوچھا۔ یارسول اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ آپؐ کو ہنسی کیوں آئی؟ فرمایا۔ میری اُمت کے دو آدمی اللہ رب العزت کے حضور عاجزی کے ساتھ پیش ہوئے ان میں سے ایک نے کہا، اے میرے رب! اس شخص سے میرا حق دلوایئے خدا نے اس کو جواب دیا۔ تم اپنے بھائی سے اپنا حق وصول کرنے کے لیے اس کے ساتھ کیا کرو گے؟ اس کے نامۂ اعمال میں تو کوئی نیکی بھی باقی نہیں رہی ہے۔ وہ شخص کہے گا پروردگار اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں رہی ہیں تو پھر یہ میرے گناہوں کا کچھ بوجھ برداشت کرے۔ یہ کہتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھیں برس پڑیں اور آپؐ

بے اختیار رونے لگے۔ پھر آپؐ نے فرمایا۔ بے شک وہ بڑا سخت دن ہوگا۔ لوگوں کی یہ خواہش ہوگی کہ ان کے اوپر سے گناہوں کا بوجھ کسی طرح ہٹا لیا جائے۔"

کل حشر کے میدان میں جو کچھ پیش آنے والا ہے اُسے آپ اس زندگی میں نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن خدا کے رسولؐ نے جس مؤثّر اور بلیغ انداز میں اس کا نقشہ کھینچا ہے اسے سُن کر اور پڑھ کر تھوڑی دیر کے لیے آپ ایسا ضرور محسوس کریں گے گویا آپ خود حشر میں کھڑے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے ہیں۔ دنیا کے خرخشوں سے ذہن کو ہلکا کرنے اور آخرت کی یاد تازہ کرنے کے لیے بار بار اس حدیث کو پڑھیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اس منظر کو یوں نہیں بیان کیا ہے کہ کل یہ کچھ پیش آنے والا ہے بلکہ آپؐ نے ماضی کا صیغہ استعمال کر کے بتایا ہے کہ یہ قطعی یقینی حقیقت ہے، جتنا یقینی وہ کام ہے جو ماضی میں ہو چکا ہے۔ پھر یقین کی اس بے مثال قوت کے ساتھ انداز ایسا دل نشیں ہے کہ دل پگھلنے لگتا ہے، اور اگر قلب وضمیر بالکل ہی مُردہ نہ ہو چکا ہو تو آدمی بے چین اور دلگیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، آپؐ کے انداز بیان میں تاثیر کی یہ اتھاہ کیفیت اس لیے بھی ہے کہ آپؐ خود بھی اس سے اثر لیتے ہیں۔ اور اس قدر اثر لیتے ہیں کہ دوسرے کے لیے اتنا اثر لینا ممکن ہی نہیں ہے۔ ظاہر ہے حدیث سے فیض اُٹھانے میں اس شخص کا کیا حصّہ ہے جو بار بار اس حدیث کو

سنتا اور پڑھتا ہے، لیکن ایک بار بھی اس کی آنکھیں نم نہیں ہوتیں اور نبیؐ کی طرح ایک بار بھی اسے رونے کی سعادت حاصل نہیں ہوتی۔

قیامت کے روز ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ اس دن کوئی کسی کا ساتھ کیا دے گا وہ اس قدر ہولناک اور شدید دن ہوگا کہ ہر ایک یہ چاہے گا، جس طرح بھی ممکن ہو، بس میں بچ جاؤں اُسے اس کی ذرا پروانہ ہوگی کہ دوسرے کس حال میں ہیں، وہ دن بڑی ہی بے چارگی، بے بسی اور احتیاج کا دن ہوگا بندہ اس دن نہ کسی پر ذرّہ برابر رحم کھائے گا۔ نہ کسی پر ذرّہ برابر اپنا حق چھوڑے گا۔ نہ کسی کو ذرّہ برابر رعایت دینے کو تیار ہوگا۔ اسے فکر ہوگی تو بس یہ کہ کسی طرح میں چھوٹ جاؤں چاہے سب پکڑے جائیں، اسی کیفیت کا ایک منظر نبیؐ نے ان الفاظ میں پیش فرمایا اور بیان کرتے کرتے خود آپؐ کا دل بھر آیا۔ اور آپؐ بے اختیار رونے لگے۔ اس حدیث سے عبرت وہی شخص حاصل کرسکتا ہے جس کا دل لرزنا جانتا ہو اور جس کی آنکھیں خوفِ خدا سے برس سکتی ہوں۔

قرآن میں بھی حشر کا یہ منظر پیش کیا گیا ہے اور ایسا رقّت انگیز اندازِ بیان اختیار کیا گیا ہے کہ روح لرزنے لگتی ہے، رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ دل دہلنے لگتا ہے اور خدا کی توفیق ہو تو آنکھیں بے اختیار برسنے لگتی ہیں۔

وَلَا يَسْئَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ۝ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمَئِذٍ بِبَنِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُؤْوِيْهِ ۝ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ كَلَّا۔ (المعارج)

"اور کوئی جگری دوست اپنے جگری دوست کو نہ پوچھے گا۔ حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے۔ مجرم چاہے گا کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنی اولاد کو، اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو، اپنے قریب ترین خاندان کو جو اُسے پناہ دینے والا تھا اور روئے زمین کے سب لوگوں کو فدیہ میں دے دے اور یہ تدبیر اسے نجات دلا دے۔ ہرگز نہیں۔"

تین نازک گھڑیاں

(۱۱)

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّهَا ذَكَرَتِ النَّارَ فَبَكَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَايُبْكِيْكِ؟ قَالَتْ ذَكَرْتُ النَّارَ فَبَكَيْتُ فَهَلْ تَذْكُرُوْنَ اَهْلِيْكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ اَمَّا فِيْ ثَلٰثَةِ مَوَاطِنَ فَلَا يَذْكُرُ اَحَدٌ اَحَدًا، عِنْدَ

اَلْمِیْزَانِ حَتّٰی یَعْلَمَ اَیَخِفُّ مِیْزَانُہٗ اَمْ یَثْقُلُ وَعِنْدَ الْکِتَابِ حِیْنَ یُقَالُ ھَآؤُمُ اقْرَءُ وْا کِتَابِیَہْ ط حَتّٰی یَعْلَمَ اَیْنَ یَقَعُ کِتَابُہٗ فِیْ یَمِیْنِہٖ اَمْ فِیْ شِمَالِہٖ مِنْ وَّرَاءِ ظَھْرِہٖ وَعِنْدَ الصِّرَاطِ اِذَا وُضِعَ بَیْنَ ظَھْرَیْ جَھَنَّمَ۔ (ابوداؤد)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ انہیں جہنم کی یاد آئی تو بے اختیار رو پڑیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا، کس چیز کی یاد تمہیں رُلا رہی ہے، بولیں، مجھے جہنّم کی آگ یاد آئی بے اختیار رونا آ گیا۔ یہ بتائیے کیا قیامت کے دن آپؐ اپنی بیویوں کو یاد رکھیں گے؟ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (عائشہ!) تین مواقع تو ایسے نازک ہوں گے کہ کوئی کسی کو یاد نہ رکھ سکے گا۔ ایک وہ جب انسان کے اعمال تولے جا رہے ہوں گے۔ ہر ایک کو فکر ہوگی کہ اس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا رہتا ہے، یا بھاری۔ دوسرا نازک موقع وہ ہوگا جب نامۂ عمل ہاتھ میں دیا جائے گا اور کہا جائے گا آؤ پڑھو اپنی کتاب زندگی، ہر ایک فکر مند ہوگا کہ اس کا نامۂ عمل داہنے ہاتھ میں دیا جاتا ہے یا بائیں ہاتھ میں پیٹھ کے پیچھے سے۔ اور تیسرا نازک موقع جب پُل صراط سے گزر ہوگا اور وہ جہنّم کے اوپر رکھا جائے گا۔“

آدمی اس دنیا میں جو کچھ کر رہا ہے، خدا کے یہاں وہ محفوظ ہو رہا ہے اور

ایک دن آدمی کا سارا کیا دھرا اُس کے سامنے آجائے گا۔ خدا اُن اعمال کی جانچ کرے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق ٹھیک بدلہ دے گا۔ اعمال کی جانچ اور تول کی کیفیت کیا ہوگی، اس کو نہ ہم سمجھ سکتے ہیں اور نہ اس کو جاننے کی کوشش کا کوئی فائدہ ہے۔ فکر کی بات اگر کوئی ہے تو صرف یہ کہ اس دن جب کہ اعمال تولے جارہے ہوں گے اور سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی، اس وقت ہماری نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو اور خدا ہم پر مہربان ہو۔ عیش و راحت کی زندگی انہیں کے لیے ہے جن کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا۔

فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَهُوَ فِىۡ عِيۡشَةٍ رَّاضِيَةٍ ؕ

"پس جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا وہ دل پسند عیش میں ہوگا۔ اور جس کا پلڑا ہلکا اور بے وزن ہوگا۔ اس کا ٹھکانہ جہنّم کی دہکتی ہوئی آگ ہے۔"

وَاَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ؕ

"اور جس کا پلڑا ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانہ ہاویہ (یعنی بھڑکتی ہوئی آگ) ہے۔"

قیامت کے روز دوسرا انتہائی نازک موقع وہ ہوگا جب نامۂ عمل ہاتھ میں دیا جائے گا —— جس کے داہنے ہاتھ میں نامۂ عمل دیا گیا وہ کامیاب و سُرخرو

ہوگا، اور جس کے بائیں ہاتھ میں نامۂ عمل دیا گیا وہ ناکام ونامراد اور رُسوا ہوگا ——— یہ گھڑی بھی انتہائی نازک ہوگی، اور اس وقت کوئی کسی کو یاد نہ رکھ سکے گا۔

تیسرا نازک موقع وہ ہوگا جب پُل صراط سے گزرنا ہوگا اور یہ پُل صراط جہنّم کے اوپر ہوگی۔ اس وقت بھی ہر ایک کو صرف اپنی فکر ہوگی۔

ان تین ہولناک موقعوں پر کامیاب اور سُرخرو صرف وہی ہوسکتا ہے جو دنیا کی زندگی میں ان تینوں موقعوں کو یاد رکھے اور غفلت ولاپروائی کی زندگی نہ گزارے۔

ان تین نازک گھڑیوں کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، اگر اس خبر میں ذرا بھی تردّد ہے تو اپنے ایمان کی فکر کیجئے۔ اور اگر یقین ہے تو سوچئے کہ اُمّت کی ماں تو نارِ جہنّم کی یاد سے بے اختیار رو پڑتی تھیں، آپ کی آنکھیں بھی بھیگتی ہیں یا نہیں!

◆◆◆

موت کے لمحات میں

(۱۲)

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰی شَابٍّ وَھُوَ فِی الْمَوْتِ، فَقَالَ : کَیْفَ تَجِدُكَ؟ قَالَ : وَاللہِ یَارَسُوْلَ اللہِ ! اِنِّیْ اَرْجُو اللہَ وَاِنِّیْ اَخَافُ ذُنُوْبِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ. لَایَجْتَمِعَانِ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ فِیْ مِثْلِ ھٰذَا الْمَوْطِنِ اِلاَّ اَعْطَاہُ اللہُ مَایَرْجُوْ وَاٰمَنَہٗ مِمَّا یَخَافُ۔

(جامع ترمذی ج ا، ابواب الجنائز)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان کے پاس اُن آخری گھڑیوں میں پہنچے جب وہ مرنے کے قریب تھا۔ آپؐ نے اس سے پوچھا ''کہو اس وقت تمہارے دل کی کیا کیفیت ہے؟'' نوجوان نے کہا، ''خدا گواہ ہے اے اللہ کے رسولؐ کہ مجھے اُس سے رحم کی بھی اُمید ہے اور میں اپنے گناہوں سے بھی لرز رہا ہوں۔'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حشر میں یہ اعلان کیا جائے کہ ایک شخص کے سوا سب بخش دیے گئے تو مجھے یہ خوف ہوگا کہ شاید یہ شخص میں ہی ہوں۔ اور اگر یہ اعلان ہو کہ ایک کے سوا سب پر خدا غضب ناک ہے تو مجھے امید ہوگی کہ یہ شخص میں ہی ہوں۔"

دراصل ایمان امید و خوف کی اسی کیفیت کا نام ہے، اور موت کے لمحات میں یہ کیفیت جس بندے کو حاصل ہے وہ واقعی خوش نصیب ہے۔ خدا اس کی امید کو بھی پورا کرے گا۔ اور اس عذاب سے بھی بچائے گا جس سے وہ ڈر رہا ہے۔

لیکن یہ کیفیت اسی دل میں پیدا ہو سکتی ہے جو اسے پیدا کرنے اور باقی رکھنے کی فکر سے غافل نہ ہو۔ موت کسی بھی لمحے آسکتی ہے، موت کے لمحات میں اگر آپ اس کیفیت کے آرزومند ہیں تو فکر کیجئے کہ ہر وقت قلب میں یہ کیفیت تازہ رہے، اور کسی وقت بھی آپ اس سے غافل نہ ہوں، خدا آپ کو ہرگز مایوس نہ کرے گا۔ اگر آپ برابر اس فکر میں لگے رہے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے تین دن پہلے وصیّت فرمائی۔ "دیکھو تم میں سے ہر ایک کو اس حالت میں موت آئے کہ وہ خدا سے خوش گمان ہو۔"

◆◆◆

ارکانِ اسلام

(۱۳)

عَنِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔ (بخاری، مسلم)

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے:۔ ۱۔ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی شہادت کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ ۲۔ نماز قائم کرنا، ۳۔ زکوٰۃ دینا، ۴۔ حج کرنا، ۵۔ رمضان کے روزے رکھنا۔"

اسلام کو اگر عمارت تصور کیا جائے تو یہ عمارت ان پانچ ستونوں پر قائم ہوتی ہے۔ انہی کو ارکانِ اسلام کہتے ہیں۔ ان ارکان کے بغیر اسلام کی عمارت نہ

وجود میں آسکتی ہے اور نہ ان کے بغیر قائم رہ سکتی ہے۔ جس شخص نے ان پانچ ارکان کی تکمیل کرلی اس کا اسلام کامل ہوگیا۔ اور جس نے ان ستونوں کو قائم کرنے کے بعد گرادیا اس کے اسلام کی عمارت ڈھے گئی۔ اور جس نے ان ارکان کو کمزور کردیا اس نے اسلام کی عمارت کو کمزور کردیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان ستونوں کے بغیر اسلام کی عمارت کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ان ارکان ہی کو اسلام قرار دیا ہے۔

اسلام کا پہلا رکن کلمہ توحید کا اقرار اور شہادت ہے۔ اس کے دو جز ہیں۔ ایک یہ کہ بندگی کے لائق صرف خدا ہے۔ خدا کو ماننے والا صرف اسی کی عبادت کرتا ہے، صرف اسی سے ڈرتا ہے، صرف اسی کے احکام کی اطاعت کرتا ہے اور صرف اسی کا بندہ بن کر زندگی گزارتا ہے۔

دوسرا جز یہ ہے کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، رسول کو ماننے کی شہادت دینے والا صرف آپؐ ہی کو ہادی اور رہنما تسلیم کرتا ہے۔ زندگی کے سارے معاملات میں صرف آپؐ ہی کی پیروی کرتا ہے۔ اور یہ یقین رکھتا ہے

کہ خدا کی مرضی پر چلنے اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کا مستند اور مقبول طریقہ اور ذریعہ صرف یہی ہے کہ آخری رسول کی سچے دل سے پیروی کی جائے۔

کلمۂ توحید کی شہادت دینے والا دراصل اپنے اس انقلابی فیصلے کا اعلان کرتا ہے کہ اب میں صرف خدا اور رسولؐ کے احکام کی پیروی کروں گا۔ ہر حال میں اسلامی ہدایات اور قوانین کی پیروی کروں گا۔ اور اسلام کا سچا پیرو اور نمائندہ بن کر زندگی گزاروں گا۔

اسلام کا دوسرا رکن نماز ہے۔ نماز کے بارے میں رسولِؐ خدا کا ارشاد ہے۔

''نماز دین کا ستون ہے، جس نے اس ستون کو ڈھادیا اس نے دین کو ڈھادیا۔''

بقیہ تین ارکان کو بھی انہی دو ارکان پر قیاس کر کے سمجھا جا سکتا ہے کہ اسلام کی عمارت ان کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔ ان ارکان کو ڈھا کر یا ان کو کمزور کر کے اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اس کا اسلام پھر بھی اپنی جگہ قائم اور مستحکم ہے تو وہ سخت فریب میں مبتلا ہے۔

◆◆◆

اسلامی آداب

(۱۴)

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِتَّقِ اللّٰهَ حَیْثُمَا کُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّیِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ۔ (جامع ترمذی ج ۲ باب معاشرۃ الناس)

"حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں کی ہدایت فرمائی، خدا سے ڈرتے رہو جہاں کہیں اور جس حال میں ہو، اور گناہ کے بعد نیکی کرلیا کرو نیکی اُسے مٹا دے گی۔ اور لوگوں کے ساتھ حُسنِ اخلاق کا برتاؤ کرو۔"

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اختصار کے ساتھ تین باتوں کی ہدایت فرمائی ہے، مگر تینوں باتیں اس قدر جامع ہیں کہ پوری زندگی پر حاوی ہیں۔

۱۔ ہر حال میں خدا کا تقویٰ۔ ۲۔ گناہ کے بعد نیکی کا اہتمام۔
۳۔ بندگانِ خدا کے ساتھ حُسنِ سلوک۔

اصلاح وتربیت کے نقطۂ نظر سے یہ طریقہ انتہائی نفسیاتی اور حکیمانہ ہے کہ چند متعیّن اور مخصوص باتوں کو پیشِ نظر رکھ کر خاص اہتمام کے ساتھ ان پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔

پہلی ہدایت یہ ہے کہ آدمی ہر حال میں خدا کا تقویٰ اختیار کرے۔ آدمی جہاں کہیں ہو، جس حال میں ہو، جس زمانے میں ہو، مجلس میں ہو یا تنہائی میں، رات کی تاریکی میں ہو یا دن کی روشنی میں، عنفوانِ شباب کے ایّام ہوں یا بڑھاپے کا عالم، حالات خوشگوار ہوں یا سخت اور سنگین، مرض کی کیفیت ہو یا صحت وتندرستی کا دور، ناداری ہو یا خوشحالی، نفع کا معاملہ ہو یا نقصان کا، ذاتی معاملہ ہو یا اجتماعی، کسی سے جُڑنا ہو یا کٹنا، اپنا حق لینا ہو یا دوسرے کا حق دینا، بڑے سے معاملے یا ہو چھوٹے سے، غرض وہ جس دور میں ہو، جس حال میں ہو، جس مقام پر ہو، جس حیثیت میں ہو، خدا کا تقویٰ اختیار کرے اور جو کچھ کرے خدا سے ڈرتے ہوئے کرے۔

تقویٰ دل کی ایک ایمانی کیفیت کا نام ہے۔ جو خدا کی محبت اور خدا کے خوف سے پیدا ہوتی ہے۔ دل ہی تمام اعمال کا سرچشمہ ہے۔ دل کی اصلاح ہو جائے تو گویا پورے جسم کی اصلاح ہو گئی، اور دل بگڑ گیا تو پوری زندگی بگڑ گئی۔

دل میں جب تقویٰ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو آدمی خدا کی فرماں برداری، دین کی اتباع اور نیکیوں کا حریص ہو جاتا ہے، اور خدا کی نافرمانی، معصیت اور بُرائی سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ دین میں تقویٰ کی اہمیّت یہ ہے کہ اس کے بغیر آدمی کو خدا کی کتاب سے ہدایت نہیں مل سکتی، اس کے بغیر آدمی کا کوئی عمل خدا کے یہاں مقبول نہیں ہوسکتا، خدا کے رسولؐ کا ارشاد ہے ''حکمت وعبرت کی بنیاد خدا کا تقویٰ ہے'' چند مخصوص قسم کے اعمال اور مخصوص قسم کی وضع اور مخصوص قسم کے لباس اور انداز کا نام تقویٰ نہیں ہے بلکہ تقویٰ دل کی ایک مطلوب اور پسندیدہ کیفیت کا نام ہے۔ جو مومن کی لازمی صفت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا'' تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔ تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔''

دوسری ہدایت یہ ہے کہ جب بھی آدمی سے کوئی گناہ سرزد ہو تو فوراً وہ اس کے بعد کوئی نیکی کا کام کرے یہ نیکی اس گناہ کو اور اس کے بُرے اثرات کو مٹادے گی۔ مومن کی تعریف ہی یہ ہے کہ جب بھی جذبات سے مغلوب ہو کر وہ کوئی نافرمانی اور گناہ کر بیٹھتا ہے اور اسے یاددہانی ہوتی ہے یا کرائی جاتی ہے تو فوراً اس کی آنکھیں کُھل جاتی ہیں اور وہ چوکنّا ہو جاتا ہے۔ پس اُس کو چاہئے کہ وہ اسی لمحے کوئی نیک عمل کرے، توبہ کرے، صدقہ دے، کسی کے

ساتھ زیادتی کی ہے تو معافی طلب کرے، کسی کا حق دبایا ہے تو فوراً اس سے دست بردار ہو جائے۔ نیکی کا یہ اقدام بُرائی اور بُرائی کے بُرے اثرات کو مٹا دے گا۔ گناہ کی دلدل سے بچنے کا یہ نہایت ہی مؤثر اور یقینی ذریعہ ہے۔

تیسری ہدایت یہ ہے کہ بندگانِ خدا کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ آدمی مختلف قسم کے تعلقات میں جکڑا ہوا ہے۔ کسی کا وہ بیٹا ہے، کسی کا باپ ہے۔ کسی کا بھائی ہے۔ کسی کا رشتہ دار ہے۔ کسی کا دوست ہے، کسی کا پڑوسی ہے، کسی کا ماتحت ہے، کسی کا افسر ہے، کسی کا چھوٹا ہے، کسی کا بڑا ہے۔ کوئی اس کا ہم مذہب اور ہم مشرب ہے اور کوئی کسی دوسرے مذہب اور مشرب کا ہے مگر اس سے اس کا تعلق ہے تو ہر ایک کے مرتبے، مقام، حقوق، اور حیثیت کا لحاظ رکھتے ہوئے آدمی کو اس کے ساتھ حُسنِ اخلاق کا برتاؤ کرنا چاہئے۔

آدمی پر تین قسم کے حقوق واجب ہوتے ہیں۔ خدا کا حق، نفس کا حق اور بندوں کا حق ——— خدا کا حق یہ ہے کہ وہ اس سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارے اور ہر حال میں اس کا تقویٰ اختیار کرے۔ نفس کا حق یہ ہے کہ وہ اس کو گناہ کی نجاستوں سے محفوظ رکھتے ہوئے آخرت کی نجات وفلاح کے لیے تیار کرے۔ تیسرا حق بندوں کا ہے۔ اور بندوں کے حق کی اہمیت یہ ہے کہ جو

شخص بندوں کا حق مارتا ہے۔ وہ نجات کا مستحق نہیں ہو سکتا جب تک بندوں سے معاف نہ کرالے۔ ◆◆◆

دانا، رسولؐ کی نظر میں

(۱۵)

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَہٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَہٗ ھَوَاھَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰہِ۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

''حضرت شدّاد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دانا وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے اور نادان وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہشات کا اتباع کرے اور اللہ سے بے بنیاد آرزوئیں لگائے رکھے۔''

اس حدیث میں خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امّت کو دانائی اور نادانی کا حقیقی معیار بتایا ہے۔ دانا حقیقت میں وہی ہے جو اس معیار پر پورا اُترے۔ دانا وہ نہیں ہے جو خود کو دانا تصور کرے یا دنیا اُسے دانا سمجھے۔ دانا وہ

ہے جو خدا اور رسولؐ کی نظر میں دانا ہے۔ خدا اور رسولؐ کی نظر میں دانا وہ ہے، جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے، ہر وقت اس کا محاسبہ کرتا رہے اور کسی وقت اس نگرانی سے غافل نہ ہو کہ وہ اپنی من مانی کرنے لگے اور خدا کی بتائی ہوئی حدود و قیود سے آزاد ہو جائے اور وہ شخص ہر وقت آخرت کی زندگی کو پیش نظر رکھ کر موت کے بعد کی زندگی کو سنوارنے، بنانے اور وہاں کی سرخروئی حاصل کرنے کے لیے سرگرم رہے۔

نادان اور بے وقوف خدا اور رسولؐ کی نظر میں وہ شخص ہے جو اپنی لگام اپنے نفس کے ہاتھ میں دے دے، اور نفس کی خواہشات پوری کرنے ہی میں لگا رہے اور پھر خدا سے بے بنیاد آرزوئیں لگائے رہے، —— یعنی اپنے عمل سے تو خدا کے غضب کو بھڑکاتا رہے اور محض آرزوؤں سے جنت حاصل کرنا چاہے۔

دانائی دراصل دین کی بصیرت سے پیدا ہوتی ہے۔ اور دین کی بصیرت اسی کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے ایمان و اسلام میں مخلص ہو، دین کی بصیرت میں منافق کا کوئی حصہ نہیں جو صرف دنیا کا بندہ ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے "دو خصلتیں ایسی ہیں جو منافق کے اندر جمع نہیں ہو سکتیں خوش خلقی اور دین کی بصیرت۔"

◆◆◆

اللہ والے

(۱۶)

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰہِ اَھْلِیْنَ مِنَ النَّاسِ، قَالُوْا مَنْ ھُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ اَھْلُ الْقُرْاٰنِ ھُمْ اَھْلُ اللّٰہِ وَخَاصَّتُہٗ۔ (نسائی، ابن ماجہ)

''حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، واقعہ یہ ہے کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ اللہ والے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا۔ یارسول اللہ وہ کون لوگ ہیں جو اللہ والے ہیں۔ فرمایا قرآن والے ہی اللہ والے ہیں۔ اور وہی خدا کے خاص بندے ہیں۔''

کس مسلمان کی یہ تمنّا نہ ہوگی کہ وہ اللہ والا کہلائے اور خدا کے رسولؐ نے جن لوگوں کو اللہ والا کہا ہے ان میں وہ بھی شامل ہو۔ رسولؐ خدا نے ان لوگوں کو اللہ والا بتایا ہے جو قرآن والے ہیں۔ قرآن والے کون ہیں؟ ظاہر ہے قرآن والے وہی لوگ ہیں جو شب و روز قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس سے شغف رکھتے ہیں، اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسروں کو بھی سمجھاتے اور پڑھاتے

ہیں اس کے مفہوم ومطلب پر غور کرتے ہیں۔ اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالتے ہیں۔ خود بھی اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں، اور جن کی تمنا اور منتہائے مقصود یہ ہے کہ دنیا میں لوگوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگیاں اسی قرآن کے سانچے میں ڈھلیں کسی چیز سے غیر معمولی شغف اور تعلق ہی کی بنا پر اس چیز کی طرف آدمی کی نسبت کی جاتی ہے۔ قرآن والے یقینا وہی ہیں جنہیں قرآن سے ایسا غیر معمولی شغف ہو کہ وہ اسی نسبت سے یاد کئے جائیں اور اسی نسبت سے پہچانے جائیں۔ قرآن خدا کا کلام ہے۔ روئے زمین پر قرآن خدا کی آواز ہے۔ جس کو قرآن پاک سے نسبت کا شرف حاصل ہے۔ بجاطور پر وہ اس کا مستحق ہے کہ اسے خدا سے نسبت کا شرف بھی حاصل ہو۔ اور وہ اللہ والا کہلائے، بلاشبہ قرآن والے ہی اللہ والے ہیں۔

تین نیکیاں، تین صلے

(۱۷)

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَنَائِعُ الْمَعْرُوْفِ تَقِیْ مَصَارِعَ السَّوْءِ

وَصَدَقَةُ السِّرِّ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَصِلَةُ الرَّحِمِ تَزِيْدُ فِي الْعُمْرِ۔ (ترغیب بحوالہ طبرانی)

”حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں کے ساتھ حُسنِ سلوک بُری موت سے بچاتا ہے، چھپا کر دیا جانے والا صدقہ رب کی آتش غضب کو بجھاتا ہے اور صلۂ رحمی سے عمر میں برکت ہوتی ہے۔“

یہ مختصر ترین حدیث تین نیکیوں کی تلقین کرتی ہے،

☆ یہ کہ آپ خدا کے بندوں کے ساتھ نیک سلوک کریں۔

☆ یہ کہ آپ پوشیدہ طریقے سے راہِ خدا میں خرچ کریں۔

☆ یہ کہ آپ رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحمی کریں۔

اور پھر ساتھ ساتھ ان تینوں نیکیوں کے تین صلے بھی بیان کئے گئے ہیں، خدا کے بندوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا بُری موت سے بچے گا۔

پوشیدہ طریقے سے صدقہ خدا کے غصّے کو بُجھائے گا۔

رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحمی سے عمر میں برکت ہوگی۔

ان تینوں صلوں میں مومن کے لیے غیر معمولی کشش اور جاذبیت ہے اور ان کی خاطر آدمی میں حُسنِ عمل کے لیے بے پناہ شوق اور جوش پیدا ہوسکتا ہے۔

خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی نفسیات کی انتہائی حکیمانہ رعایت کرتے ہوئے ان نیکیوں کی انتہائی کامیاب ترغیب دی اور شوق وجذبے کو اُبھارنے کا نہایت مؤثر انداز اختیار فرمایا ہے۔ بندوں کے ساتھ نیک سلوک پر یوں تو قرآن وسنّت میں جگہ جگہ مختلف پہلوؤں سے گفتگو کی گئی ہے، لیکن یہاں ایک ایسے پہلو کو اُبھارا گیا ہے جس کی طلب میں مومن انتہائی حریص ہے۔

اچھی اور بُری موت ہی پر سارا دارومدار ہے، مومن کی ساری تگ ودو اسی لیے ہے کہ وہ اچھی موت سے ہم آغوش ہو اور اس کا خاتمہ ایمان پر ہو۔ آخرت کی ساری نعمتیں اور خدا کی رضا اسی بندے کو نصیب ہوگی جس کا خاتمہ ایمان پر ہو، اور رسول اللہ ﷺ کی بشارت یہ ہے کہ حُسنِ انجام اسی بندے کا حصّہ ہے جو بندوں کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ قرآن پاک میں بھی یہ اشارہ نہایت ایمان افروز انداز میں موجود ہے۔

قرآنِ پاک میں ایک بدترین موت کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ "پس ہم نے اسے اور اُس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔" یہ قارون کی موت کا واقعہ ہے، جو ایمان سے محروم دنیا سے رخصت ہوا اور ظاہری اعتبار سے بھی اس کی موت نہایت کربناک تھی کہ وہ اپنے تمام خزانوں

سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ اس بدترین موت کا سبب قرآن نے نہایت بلیغ انداز میں یہ بتایا ہے کہ قارون کا سلوک خدا کے بندوں کے ساتھ نہایت بُرا تھا، خدا کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے قارون کو متوجہ کیا کہ

اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ۔

"جس طرح خدا نے تیرے ساتھ حُسنِ سلوک کیا ہے تو بھی لوگوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کر۔"

لیکن قارون نے موسیٰ علیہ السلام کی بات ماننے کے بجائے نہایت متکبرانہ انداز میں انکار کرتے ہوئے جواب دیا۔

اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ

"مجھے تو جو کچھ ملا ہے میرے علم وہنر کی بدولت ملا ہے. (مجھ پر کسی کا کیا احسان؟)"

اور خدا نے اس کی پاداش میں اُسے زمین میں دھنسا کر بدترین موت دی۔

دوسری نیکی جس کی ترغیب دی گئی ہے وہ پوشیدہ طریقے پر صدقہ وخیرات ہے۔ صدقے میں اخفا کی تاکید قرآن میں بھی کی گئی ہے۔ اور احادیث میں بھی، خدا کی نظر میں اسی عمل کی کوئی قیمت ہے جو محض اس کی رضا کے لیے کیا گیا ہو، اور صدقے کے معاملے میں زیادہ سے زیادہ اخلاص کی توقع اسی

صدقے میں کی جا سکتی ہے جو چھپا کر کیا گیا ہو اور اس کا یہ صلہ کہ اس سے خدا کی آتشِ غضب ٹھنڈی ہوتی ہے مومن کے لیے ایسا پسندیدہ صلہ ہے کہ وہ اس کی خاطر زیادہ سے زیادہ چھپا کر خرچ کرنے کا اہتمام کرے۔ دراصل شب و روز انسان سے مختلف قسم کی کوتاہیاں اور گناہ ہوتے رہتے ہیں۔ اور گناہ ہی تو ہے جو خدا کے غضب کو بھڑکاتا ہے، اس غضب کو ٹھنڈا کرنے اور خدا کے غصّے کو بُجھانے کے لیے بہترین تدبیر یہ ہے کہ آدمی خدا کی راہ میں صدقہ کرے اور محض خدا کی رضا کے لیے کرے۔ اس اخلاص کے اہتمام کا طریقہ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے وہ چُھپا کر خدا کی راہ میں خرچ کرے۔

تیسری نیکی رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحمی ہے، قرآن و سنّت میں جگہ جگہ صلۂ رحمی کی تاکید کی گئی ہے، مختلف پہلوؤں سے اس کی اہمیّت واضح کی گئی ہے اور اس کا اجر و انعام بیان کیا گیا ہے، یہاں صلۂ رحمی کا ایک خاص اجر بیان کیا گیا ہے وہ ہے عمر میں برکت، مومن کے لیے عمر کی برکت میں کشش کا پہلو یہ ہے کہ وہ اس مہلتِ عمل میں زیادہ سے زیادہ آخرت کے لیے کما سکے۔ عمر میں برکت کی اصل شکل کیا ہے یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے البتہ اتنی بات ضرور واضح ہے کہ خدا تعالیٰ مومن کو دنیا کی زندگی سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے

اورزیادہ سے زیادہ خیر کمانے کی توفیق دے گا اور موقع فراہم فرمائے گا۔ مومن کی یہی اصل تمنّا ہے کہ اس کی یہ فانی زندگی اُس باقی رہنے والی زندگی کو زیادہ سے زیادہ کامیاب بنانے میں کام آئے۔ ♦♦♦

خدا کی تین نعمتیں

(۱۸)

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاْ بَأْسَ بِالْغِنٰی لِمَنِ اتَّقَی اللہَ عَزَّوَجَلَّ وَالصِّحَّۃُ لِمَنِ اتَّقٰی خَیْرٌ مِّنَ الْغِنٰی وَطِیْبُ النَّفْسِ مِنَ النَّعِیْمِ۔ (مشکوٰۃ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”خدا سے ڈرنے والوں کے لئے دولت مند ہونا کوئی تشویش کی بات نہیں اور خدا سے ڈرنے والوں کے لیے صحت، دولت سے زیادہ بہترین نعمت ہے اور دل کا سرور واطمینان خدا کی نعمتوں میں سے ایک ہے۔“

اس مختصر حدیث میں خدا کے رسولؐ نے تین نعمتوں کا ذکر اس انداز سے فرمایا ہے کہ فکر ونظر کی اصلاح بھی فرمائی، دو نعمتوں کا مقابلہ کر کے یہ بات بھی بتائی کہ

ایک خداترس آدمی کے لیے کونسی نعمت زیادہ بہتر ہے اور یہ بات بھی کہ آدمی ان نعمتوں کی قدر کرے اور ان کو واقعی نعمت سمجھے اور نعمت سمجھنے کا لازمی تقاضایہ ہے کہ وہ یہ فکر بھی رکھے کہ کل مجھے خدا کے حضور ان نعمتوں کا جواب بھی دینا ہے۔

تین نعمتیں یہ ہیں۔

۱۔مال و دولت ۲۔صحت و توانائی ۳۔قلبی اطمینان و سرور

مال و دولت کو نعمت قرار دیتے ہوئے نہایت حکیمانہ انداز سے خدا کے رسولؐ نے اس باطل تصور کو ذہن سے کھرچنے کی کوشش فرمائی ہے کہ مال کوئی قابل نفرت چیز ہے، یا اس کے حصول کی کوششیں، مومن کی شان سے گری ہوئی بات ہے۔آپؐ نے سادہ انداز میں یہ نہیں فرمایا کہ مال بھی نعمت ہے۔ بلکہ انداز یہ اختیار فرمایا کہ خداترس بندے کے لیے دولت مند ہونا کوئی تشویش کی بات نہیں۔یعنی مال و دولت بذاتِ خود قابلِ نفرت چیز نہیں ہے کہ مومن اس کے نام سے گھِن کھائے۔ دراصل بُری بات یہ ہے کہ آدمی دولت مند ہو کر خداترسی کے تقاضوں کو فراموش کردے، وہ حرص وہوس میں مبتلا ہو جائے عیّاشی اور عیش پرستی میں پڑ جائے اور خدا کے بجائے مال کو پوجنے لگے۔اگر آدمی خداترسی کی روش پر قائم رہے۔مال حلال ذرائع سے حاصل کرے اور خدا کی ہدایت کے مطابق خدا

کی راہ میں خرچ کرتا رہے۔اور مال کو اپنی آخرت بنانے اور سنوارنے میں لگائے۔ تو ایسے متقی آدمی کے لیے دولت مند ہونا کوئی تشویش کی بات نہیں۔اس اندازِ تعلیم میں اس ذہن کی اصلاح مقصود ہے جو یہ سمجھنے لگتا ہے کہ دنیا کی دولت کو حاصل کرنے کی فکر اور کوشش دنیا پرستی ہے۔ اور ایسا شخص خالص دنیادار ہے ۔ جی نہیں۔ تقویٰ کی روش پر قائم رہنے والے کے لیے دولتِ دنیا کے حصول میں کوئی خطرہ نہیں اور اسلام کا مقصود ہرگز یہ نہیں ہے کہ آدمی اپنے اوقات کا کوئی حصہ اس طرح کی جدّو جہد میں صرف نہ کرے۔ خداپرستی اور دولتمندی میں کوئی منافات نہیں۔ ایسا سمجھنا قطعاً غلط ہے، کہ جو شخص خوشحال ہے، اس کی خداپرستی اور خداترسی مشکوک ہے۔ مطلوب صرف یہ ہے کہ آدمی جس حال میں بھی ہو تقویٰ اور پرہیزگاری کو اپنا شعار بنائے رکھے اور ہر حال میں خدا سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارے۔

دوسری بات خدا کے رسولؐ نے یہ بتائی کہ آدمی دولت کے حصول سے کہیں زیادہ صحت کو قائم رکھنے کی کوشش کرے۔ دونوں ہی خدا کی نعمتیں ہیں لیکن خدا کی مرضی کے مطابق زندگی گذارنے کا جذبہ رکھنے والے کے لیے دولت سے کہیں زیادہ صحت مفید اور بہتر ہے۔ بگڑی ہوئی صحت کے ساتھ خوشحالی کے باوجود خدا کے دین کے تقاضے پورے نہیں کئے جاسکتے۔ دین کی خدمت میں آدمی سرگرمی اور جوش و خروش نہیں دکھا سکتا۔ ہاں اگر آدمی صحت مند ہو اور وہ خوشحال نہ بھی ہو تو بھی وہ دین

کے مطالبات پورے کرنے میں چاق و چوبند ہوگا اور نشاط کے ساتھ اپنے فرائض ادا کر سکے گا۔ اس لیے ایک خدا ترس انسان کے لیے دولت سے کہیں زیادہ صحت اور توانائی کی فکر رکھنی چاہیئے۔ صحت کو برباد کر کے دولت کے پیچھے پڑنے والا شخص دین کی نظر میں دانشمند نہیں ہے۔ صحت ہی وہ سب سے بڑی دولت ہے جس کے بَل پر آدمی خدا کے دین کے لیے بڑے سے بڑے کارنامے انجام دے سکتا ہے۔ صحت سے غافل انسان جب ایک بار اپنی صحت بگاڑ لیتا ہے تو پھر زندگی بھر پچھتانے کے سوا اس کے حصّے میں اور کچھ نہیں آتا۔

تیسری بات آپؐ نے یہ فرمائی کہ نعمتوں میں ایک بڑی نعمت دل کا اطمینان اور سرور ہے۔ صحت، دولت سب کچھ اسی کے لیے ہے، اس لیے مومن کی نگاہ اس پر رہے کہ وہ اپنی دولت اور صحت سے دل کا اطمینان اور سرور حاصل کرنے کی فکر کرے۔ قلب کا سکون واطمینان اور مسرّت وشادمانی اگر حاصل نہیں ہے تو دولت وصحت سب بیکار ہے۔ اور اگر دولت وصحت میں کچھ کمی بھی ہے۔ لیکن قلبی سرور اور اطمینان آدمی کو حاصل ہے تو دنیا جہان کی نعمت اُسے حاصل ہے اور سرور واطمینان کی دولت اسی طرح حاصل ہوسکتی ہے کہ آدمی اپنی صحت اور دولت سے خدا کی مرضی کے مطابق کام لے۔

ایک چوتھی بات جو خدا کے رسولؐ نے لفظوں میں تو نہیں فرمائی ہے لیکن ان تینوں چیزوں کو نعمت قرار دینے سے خود بخود سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ جب یہ تین چیزیں نعمت ہیں، تو نعمت کے بارے میں ضرور خدا تعالیٰ ایک دن باز پُرس فرمائے گا۔ خدا کی یہ نعمتیں جس بندے کو بھی ملی ہیں اسے یہ فکر ضرور ہونی چاہئے کہ کل ان نعمتوں کے بارے میں وہ خدا مجھ سے پوچھے گا جس نے اپنے فضل سے ان نعمتوں سے مجھے نوازا ہے ۔۔۔۔۔ خدا کا ارشاد ہے۔

وَلَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ

"اور تم سے ضرور ان نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔" ♦♦♦

مسلم کی مثال

(۱۹)

عَنِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَاِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ فَحَدِّثُوْنِيْ مَاهِيَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِيْ شَجَرَةِ الْبَوَادِيْ،

قَالَ عَبْدُاللّٰهِ :فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ اَنَّهَا النَّخْلَةُ فَاسْتَحْيَيْتُ، ثُمَّ قَالُوْا حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ۔

(بخاری، مسلم)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے پتّے کبھی نہیں جھڑتے، اور یہی درخت مسلم کی مثال ہے، اچھا تم لوگ بتاؤ وہ کونسا درخت ہے؟ لوگ جنگل کے درختوں کے بارے میں سوچنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں۔ ''میرے دل میں آیا کہ یہ تو کھجور کا درخت ہے۔ مگر مجھے بتاتے ہوئے شرم آئی۔'' اس کے بعد صحابہؓ نے درخواست کی کہ یارسول اللہؐ! آپ ہی بتائیے کہ وہ کونسا درخت ہے؟ ارشاد فرمایا۔ ''وہ کھجور کا درخت ہے۔''

کھجور کا درخت ہمیشہ سرسبز وشاداب رہتا ہے۔ موسموں کے اُلٹ پھیر کا اس پر کبھی اثر نہیں پڑتا۔ اس کے پتّے کبھی نہیں جھڑتے۔ وہ کبھی خزاں کا شکار نہیں ہوتا۔ اس کے سائے سے کبھی خدا کی مخلوق محروم نہیں ہوتی۔ ٹھیک یہی مثال ایک مسلم کی ہے، اسلام کا کلمہ پڑھنے کے بعد اس کا وجود، خیر و برکت، بھلائی اور نیکی اور فوائد وثمرات کا ایک ایسا پُر بہار اور سایہ دار درخت بن

جاتا ہے جس کے فیوض و برکات سے ہر آن خدا کی مخلوق فیضیاب ہوتی رہتی ہے وہ کسی وقت کسی دور اور کسی حال میں کبھی بے فیض ٹھنٹھ نہیں ہوتا اور اس کی خیر و برکت اور بھلائی سے کبھی خدا کی مخلوق محروم اور مایوس نہیں ہوتی۔ مسلمان کے خلوص و دیانت، فکر و طبیعت کی سلامتی، تہذیب و نظافت، پاکیزہ سیرت و اخلاق، راست بازی اور شرافت، سلجھے ہوئے معاملات اور خوش گوار تعلقات اور اس کی خودداری اور عالی ظرفی سے دنیا میں خیر اور بھلائی پھیلتی ہے۔ خیر اور بھلائی کے سوا مخلوق خدا کو اس سے اور کسی چیز کی توقع نہیں ہوتی۔

اسی حقیقت کو قرآن پاک نے انتہائی دل نشین انداز میں اس طرح بیان کیا ہے۔

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کلمۂ طیّبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھی ذات کا درخت جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے۔" یہ مثالیں اللہ اس لیے دیتا ہے کہ لوگ ان سے سبق لیں۔ (سورہ ابراہیم۔ آیت ۲۴۔۲۵)

◆◆◆

دین کی مزاج شناسی

(۲۰)

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ لَمْ يَكُنْ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَحَزِّفِيْنَ وَلَامُتَمَاوِتِيْنَ وَكَانُوْا يَتَنَاشَدُوْنَ الشِّعْرَ فِيْ مَجَالِسِهِمْ وَيَذْكُرُوْنَ اَمْرَ جَاهِلِيَّتِهِمْ فَاِذَا اُرِيْدَ اَحَدٌ مِنْهُمْ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ اَمْرِ اللّٰهِ دَارَتْ حَمَالِيْقُ عَيْنَيْهِ كَاَنَّهٗ مَجْنُوْنٌ۔ (الادب المفرد)

''حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نہ تنگ دل تھے اور نہ تنگ ذہن اور نہ وہ بجھے بجھے فسردہ اور مردہ ہی بنے رہتے تھے۔ ان کی مجلسوں میں شعروشاعری بھی ہوتی، جاہلی زندگی کے قصّے کہانیاں بھی ہوتیں۔ البتہ جب خدا کے دین کے معاملہ میں ان سے کوئی نامناسب مطالبہ کیا جاتا تو غیظ وغضب سے ان کی آنکھوں کی پتلیاں اس طرح گردش کرنے لگتیں کہ جیسے ان پر جنون کا دورہ پڑ گیا ہو۔''

دیندارانہ زندگی کیسی ہوتی ہے۔ دین کا مزاج کس طرح کی زندگی کا تقاضا کرتا ہے۔ دین کی کامل اتّباع اور صحیح نمائندگی کا کیا مطلب ہے۔ ان سوالات کا ایک ہی جواب صحیح ہے کہ صحابۂ کرام رضؓ کی زندگی کو دیکھئے، ان کی دینداری، فہمِ دین، دین کی مزاج شناسی اور اتّباعِ دین ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

یہ حدیث ہمارے سامنے صحابۂ کرام رضؓ کا روشن اُسوہ پیش کرتی ہے اور صاف صاف بتاتی ہے کہ دیندارانہ زندگی کیسی ہوتی ہے۔ کیا چیز مطلوب نہیں ہے اور کیا چیز مطلوب ہے۔ اور وہ کون سی مثالی خوبی ہے جو دیندارانہ زندگی کا اصل جوہر ہے۔

دین داری یہ ہرگز نہیں ہے کہ آدمی ہر وقت رونی صورت بنائے مُردہ اور افسردہ بنا رہے۔ لوگوں سے ملنے جلنے ان کی دلچسپیوں میں شریک ہونے کے بجائے تنگ دلی اور تنگ ذہنی کا مظاہرہ کرے۔ ہنسنے بولنے اور لوگوں کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے سے پرہیز کرے اور ہر وقت لیے دیے رہے۔ نہ اُسے کسی کی خوشی سے کوئی غرض ہو اور نہ کسی کے غم سے کوئی واسطہ ہو، ــــــ وہ خود کو کسی دوسری دنیا کی مخلوق سمجھنے لگے، اور انسانی جذبات واحساسات سے کوئی سروکار ہی نہ رکھے۔

صحابۂ کرام رضؓ اس طرح کی تنگ دلی اور تنگ ذہنی سے یکسر پاک تھے۔ وہ

اپنی مجلسوں میں ہنستے بولتے بھی تھے۔ شعر و شاعری سے بھی دلچسپی لیتے تھے۔ اپنی مجلسوں میں جاہلی دور کے قصّے کہانیاں بھی بیان کرتے تھے۔ اور زندہ دل اور ہشّاش بشّاش رہتے تھے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ دینداری کی حقیقت کو جاننے والے دین کے مزاج کو سمجھنے والے اور دین کی کامل اتّباع کا جذبہ رکھنے اور دین کی صحیح نمائندگی کرنے والے یہی لوگ تھے۔

صحابۂ کرام رضؓ کی دیندارانہ زندگی کا اصل جوہر یہ تھا کہ وہ دین کے معاملے میں انتہائی غیرتمند تھے۔ بے جا رواداری اور مداہنت سے ان کی زندگی پاک تھی۔ دین کے خلاف جب کوئی بات ان کے سامنے آتی یا خلافِ حق کسی خواہش کا ان سے اظہار کیا جاتا تو ان کی غیرت بھڑک اُٹھتی، ان کا پارہ چڑھ جاتا، اور غصّے کی شدّت سے اُن کی آنکھوں کی پُتلیاں اس طرح ناچنے لگتیں جیسے کہ وہ دیوانے ہو گئے ہیں۔

وہ تنگ دل بھی نہ تھے، اور تنگ ذہنیت سے بھی پاک تھے لیکن دین کے معاملے ان میں ذرا لچک اور نرمی نہ تھی، وہ حق کے مخلص و وفادار تھے، ناحق کے ساتھ مصالحت سے ان کی زندگی نا آشنا تھی۔ ان کی غیرتِ حق یہ ہرگز برداشت

نہیں کرسکتی تھی کہ حق کے خلاف ان سے کوئی مطالبہ کیا جائے۔اس طرح کی توقع کا اظہار اگر ان کے سامنے ہوتا تو ان پر جنون کی سی کیفیت طاری ہوجاتی۔دین کے لیے بے غیرتی اور مداہنت کا دینداری سے کوئی جوڑ نہیں، حق کا وفادار ناحق کے لیے ہرگز نرم نہیں ہوسکتا۔دین کے معاملے میں ناحق سے مصالحت اور رواداری، کشادہ دلی اور کشادہ ذہنی نہیں ہے بلکہ بدترین قسم کی بے غیرتی، مداہنت اور بے دینی ہے۔

◆◆◆

رضاءِ الٰہی چاہنے والے کا صِلہ

(۲۱)

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّهُ كَتَبَ اِلٰى عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنِ اكْتُبِىْ اِلَىَّ كِتَابًا تُوْصِيْنِىْ فِيْهِ وَلَاتُكْثِرِىْ فَكَتَبَتْ: سَلَامٌ عَلَيْكَ اَمَّا بَعْدُ: فَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنِ الْتَمَسَ رِضَى اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَى النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ

وَ كَلَهُ اللهُ اِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ ۔ (جامع ترمذی)

"حضرت معاویہؓ بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں یہ درخواست لکھ کر بھیجی کہ آپ مجھے خط کے ذریعہ کچھ نصیحت لکھ کر بھیجئے جو زیادہ طویل نہ ہو۔ جواب میں حضرت عائشہؓ نے اُن کو یہ خط لکھا۔

"تم پر سلامتی ہو، اس کے بعد کہنا یہ ہے کہ میں نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ آپؐ فرماتے تھے جو شخص اللہ کی خاطر بندوں کی ناراضی مول لے گا تو بندوں کی طرف سے پہنچنے والی زحمتوں میں خدا اس کی پشت پناہی فرمائے گا۔ اور جو شخص بندوں کو خوش رکھنے کے لیے اللہ کو ناراض کرے گا تو اللہ اس کو انہیں بندوں کے حوالے کر دے گا۔"

اس مختصر سی روایت سے تین نہایت اہم ہدایتیں ملتی ہیں۔

١۔ ہر انسان نصیحت اور یاد دہانی کا محتاج ہے۔ ٢۔ نصیحت مختصر ہی ہونی چاہئے۔
٣۔ خدا اور بندوں کے معاملہ میں خدا کی رضا ہی کو اپنا مطلوب بنایا جائے۔

نصیحت کی طلب وضرورت: دین وہدایت اور علم وتقویٰ کے لحاظ سے آدمی کسی مرتبہ پر پہنچ جائے۔ وہ یاددہانی اور تذکیر سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، دین کی راہ میں کوئی مرحلہ ایسا نہیں آتا جہاں پہنچ کر آدمی یہ سمجھنے لگے کہ اب میں دوسروں کی تذکیر اور نصیحت کا پابند نہیں ہوں، کسی وقت اگر ذہن میں ایسا خیال

پیدا ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے اور اس کا وار کارگر ہو رہا ہے۔
دراصل نصیحت و وصیّت کی طلب اور ضرورت اس بات کی علامت ہے کہ آدمی کو اپنی عاقبت بنانے اور اپنی زندگی سدھارنے کی فکر ہے، اسی لیے آپ دیکھتے ہیں، صحابۂ کرامؓ نے بار بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی ہے یارسول اللہ ہمیں کچھ نصیحت فرمائیے کوئی ایسی بات بتائیے جسے ہم ہمہ وقت نگاہوں کے سامنے رکھیں اور اس کے بعد کے بزرگوں کا بھی یہی شیوہ رہا ہے، دوسروں سے نصیحت و وصیّت کرنے کی درخواست وہی شخص کرتا ہے جو خدا کے حضور حاضری سے لرزتا رہتا ہو، آخرت کے لیے خود کو تیار کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہو، اور کسی وقت بھی اپنی زندگی بنانے کی فکر سے غافل نہ رہتا ہو۔
نصیحت کرنے والے کو بھی چاہیئے کہ وہ خواہ مخواہ تکلّف نہ کرے، بیجا انکساری سے کام نہ لے۔ اور نہ ٹال مٹول کرے، بلکہ جو بھلی بات وہ طالب نصیحت کے لیے مفید اور ضروری تصور کرے، بتائے اور اچھے انداز میں بتائے۔ دوسروں کو بتانے سے خود بھی اس نصیحت پر عمل کرنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور دوسرے کو بتانے اور نصیحت کرنے کا بھی بڑا اجر و ثواب ہے۔
مختصر نصیحت کی اہمیت: نصیحت عام طور پر مختصر ہی ہونی چاہیئے۔ یوں تو ہر

شخص کے سامنے دین کی تعلیمات کچھ نہ کچھ رہتی ہی ہیں اور وہ اپنی استطاعت کے مطابق ان پر عمل کرتا بھی رہتا ہے، لیکن کوئی جامع اور مختصر نصیحت اگر سامنے آ جائے تو آدمی اپنی تربیت میں سہولت محسوس کرتا ہے۔ اور مختصر بات کو وقت سامنے رکھ کر زیادہ یکسوئی کے ساتھ اس پر عمل کی کوشش کرتا ہے۔ اسی لیے احادیث کی کتابوں اور بزرگوں کے حالات میں یہ ملتا ہے کہ نصیحت چاہنے والے بھی مختصر نصیحت کا مطالبہ کرتے تھے اور نصیحت کرنے والے بھی مختصر نصیحت فرماتے تھے۔ مثلاً ایک صحابی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے ایسی جامع نصیحت فرمائیے کہ پھر مجھے کسی سے کچھ پوچھنا نہ پڑے۔ آپؐ نے جواب میں اتنی جامع اور اتنی مختصر نصیحت فرمائی جس میں صرف دو لفظ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔

قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ ''کہو میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر جم جاؤ۔''

اسی طرح ایک بار حضرت ابوذر غفاریؓ نے حضورؐ سے درخواست کی

''عِظْنِی فَاَوْجِزْ'' ''مجھے نصیحت کیجئے اور بہت ہی مختصر۔''

اور پھر آپؐ نے حضرت ابوذرؓ کو نہایت ہی جامع اور مختصر نصیحت کرتے ہوئے تین باتوں کی طرف متوجہ کیا۔

اوپر کی روایت میں بھی حضرت معاویہؓ نے نصیحت کی درخواست کی اور

ساتھ ہی کہا۔ "وَلَا تُکْثِرِیْ فِیْہِ۔" "لمبی چوڑی بات نہ لکھئے۔" دراصل طول طویل نصیحتیں نہ یاد رہتی ہیں اور نہ تربیت وحکمت کے لحاظ سے مفید ہوتی ہیں۔ مختصر بات ذہن کی گرفت میں آسانی سے آجاتی ہے اور نفسیاتی اعتبار سے اس پر عمل کرنا بھی آسان ہوتا ہے۔

رضاءِ الٰہی کی طلب میں صحیح طرز فکر:۔ ہر آدمی کے کچھ نہ کچھ معاملات بندوں سے ضرور متعلق ہوتے ہیں۔ کہیں اسے اپنے حقوق لینا ہوتے ہیں، کہیں دوسروں کے حقوق دینا ہوتے ہیں۔ کبھی کسی کے معاملے میں اظہار خیال کرنا ہوتا ہے۔ کبھی فریقین کے درمیان فیصلہ کرانے کا موقع آتا ہے اور اگر وہ کسی اونچے منصب پر ہو تو کچھ زیادہ لوگوں سے اسے معاملہ کرنا پڑتا ہے اور قدم قدم پر اس کی آزمائش ہوتی ہے۔ اس کے فیصلے، اس کا اظہار خیال، اس کا سلوک بہت سے لوگوں کے لیے خوشی کا باعث ہوتا ہے تو بہت سے لوگوں کے لیے ناراضی کا باعث بھی ہوسکتا ہے، لوگوں کو خوش رکھنے کا تقاضا ایک ہوتا ہے، اور حق کا تقاضا دوسرا۔ ایسے تمام مواقع پر صحیح طرز فکر یہ ہے کہ آدمی صرف خدا کی خوشنودی کو پیشِ نظر رکھے، جب خدا اور بندوں کی مرضی ٹکرا رہی ہو تو آدمی بندوں سے بے نیاز ہوجائے اور صرف وہ کرے جو خدا کی مرضی ہو، بندوں کی ناراضی کی ذرا پروانہ

کرے، اور یہ یقین رکھے کہ خدا اس کی حمایت کرے گا۔ اسے ہرگز ندے محفوظ رکھے گا اور ہر موقع پر اس کی پشت پناہی فرمائے گا۔ اس کے برعکس اگر اس نے خدا کی مرضی سے صرفِ نظر کیا اور بندوں کی خوشنودی میں لگ گیا، تو پھر خدا اپنی حمایت کا ہاتھ اس سے اُٹھالے گا اور اس کو انہیں بندوں کے حوالے کردے گا۔

خدا کی حمایت اور سرپرستی سے محروم ہونے کے بعد وہ انہیں بندوں کے رحم وکرم پر ہوگا۔ وہ جس طرح چاہیں گے اس سے اپنی مرضی پوری کروائیں گے اور یہ شخص کبھی انہیں ہمیشہ خوش رکھنے میں کامیاب نہ ہوسکے گا۔ اس سے بڑی نادانی کیا ہوگی کہ آدمی اس خدا کو چھوڑ کر جس کی چٹکی میں پوری کائنات ہے، اُن بندوں کو راضی رکھنے کی کوشش میں لگ جائے، جو انتہائی کمزور ہیں اور جن کے قبضے میں کچھ بھی نہیں ہے۔

خدا پر ایمان، اور توحید پر یقین کی شان یہی ہے کہ آدمی بندوں سے بے نیاز ہو اور صرف خدا کی رضا کو اپنا مقصود بنائے۔ اس طرزِ عمل سے بندے خفا ہوں تو ہوا کریں۔ خدا کو راضی رکھنے کی خاطر وہ بندوں کی خفگی کو گوارا کرے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

مومن کی کیفیّت

(۲۲)

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا الْاِیْمَانُ ؟ قَالَ اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَ تْكَ سَیِّاٰتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ۔ (مسند احمد)

"حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا جب تمہاری نیکیوں سے تمہیں خوشی ہو، اور تمہاری برائیاں تمہیں ناگوار ہوں، تو سمجھ لو کہ تم مومن ہو۔"

اس مختصر سی حدیث سے تین نہایت اہم اشارے ملتے ہیں۔

ایک یہ کہ ایمان کا عمل سے لازمی تعلق ہے۔ آدمی جو عمل بھی کرتا ہے دل اس کا اچھا یا بُرا اثر قبول کرتا ہے، اگر ایمان زندہ اور بیدار ہے تو نیک عمل سے خوشی اور بُرے عمل سے دُکھ اور رنج ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ایمان نیکی کے لئے اُبھارتا ہے اور بُرائی سے روکتا ہے۔

دوسرا اشارہ یہ ملتا ہے کہ اپنے ایمان کو تولنے اور پرکھنے کا پیمانہ ہر شخص کے پاس ہر وقت موجود ہے۔ اچھے اور بُرے عمل آدمی شب و روز کر رہا ہے ـــــ بُرائی پر کُڑھن اور ناگواری اور نیکی پر مسرّت اور فرحت کی حِس اگر بیدار ہے تو ضمیر کی یہ زندگی اس بات کا ثبوت ہے کہ ایمان کی دولت آدمی کو حاصل ہے۔ اور اگر یہ حس بالکل مُردہ ہوگئی ہے تو آدمی کو اپنے ایمان کی فکر کرنا چاہئے۔ آدمی اپنی ذات سے پُر امید رہے اور اپنے ایمان سے خواہ مخواہ مایوسی میں مبتلا نہ ہو۔

گناہوں کی کثرت اور پیہم خطا کاریوں سے بعض اوقات آدمی پر اپنے دین و ایمان سے مایوسی طاری ہونے لگتی ہے۔ اور شیطان اگر اُسے مایوس کرنے میں کامیاب ہو جائے تو پھر وہ کہیں کا نہیں رہتا۔ اگر آدمی کو اپنی نیکی سے مسرّت محسوس ہو اور برائی ہو جانے پر طبیعت میں بوجھ اور ناگواری ہو تو یہ کیفیت ایمان کی علامت ہے۔ اس کیفیت کی موجودگی اور اس حِس کی بیداری کے معنی یہی ہیں کہ ایسا شخص مومن ہے۔ اور یہ ہرگز صحیح نہیں کہ وہ اپنی عملی کمزوریوں کے باعث اپنے ایمان سے مایوسی کی بات سوچے اور شیطان کو اپنے اوپر حملہ آور ہونے کے لئے موقع مہیا کرے۔ ◆◆◆

استخارہ، مشورہ، میانہ روی

(۲۳)

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ مَا خَابَ مَنِ اسْتَخَارَ وَلَا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ وَلَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ

(المعجم الصغیر ص ۲۰۴)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا” استخارہ کرنے والا ناکام نہیں ہوتا، مشورہ لینے والا پشیمان نہیں ہوتا اور میانہ روی اختیار کرنے والا فقر اور غریبی میں مبتلا نہیں ہوتا۔“

اس مختصر سی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناکامی، پشیمانی اور ناداری جیسی لرزا دینے والی آفتوں سے بچنے کے لئے تین کاموں کا اہتمام کرنے کی نہایت مؤثر تاکید فرمائی ہے۔

۱۔ استخارہ ۲۔ مشورہ

۳۔ میانہ روی

• استخارہ

استخارہ کے لغوی معنی ہیں، خیر چاہنا' اصطلاح میں استخارہ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی خدا سے خیر اور بھلائی چاہنے کے لئے وہ عمل کرے جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امّت کو تعلیم دی ہے۔

بعض اوقات آدمی کسی کام کو چھوڑنے یا نہ کرنے میں متردّد ہوتا ہے اور اس کو شرح صدر نہیں ہوتا کہ وہ کیا رویّہ اختیار کرے۔ خیر اور بھلائی اس کام کو اختیار کرنے میں ہے یا چھوڑ دینے میں۔ ایسے تمام اہم امور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ استخارہ کیا جائے۔ استخارہ دراصل خدا تعالیٰ سے مشورہ طلب کرنا ہے۔ آدمی خدا سے یہ دعا کرتا ہے کہ پروردگار! میں اپنی کم علمی اور کوتاہ نظری کے باعث سمجھ نہیں پارہا ہوں کہ پیش آمدہ معاملے میں میرے لئے خیر کا پہلو کونسا ہے' پروردگار! تو خوب جانتا ہے کہ میرے لئے خیر اور بھلائی کس پہلو میں ہے، پروردگار! میرے قلب کو اُسی طرف مائل فرمادے جس میں خیر اور بھلائی ہو۔

نکاح اور شادی کا مسئلہ ہو یا کاروبار کا، ملازمت چھوڑنے یا اختیار کرنے کی بات ہو یا ملازم نہ رکھنے کا معاملہ ہو یا کسی سفر پر جانے کی بات ہو۔ غرض جو معاملہ بھی درپیش ہو! اگر آدمی کو اس میں تردّد ہو اور اس پر خیر کا پہلو واضح نہ ہو تو

یا استخارہ کرے اور پھر جس طرف اس کے قلب کا میلان ہو اس کو قضاءِ الٰہی سمجھ کر اطمینان کے ساتھ اختیار کرلے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ سے منقول ہے کہ انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کیلئے استخارہ کا حکم دیا تھا۔

حضرت شیخ الاسلام علاّمہ ابن تیمیہؒ فرمایا کرتے تھے۔ وہ شخص کبھی پشیمان اور شرمندہ نہیں ہوتا جو ہر معاملے میں خالق سے استخارہ کرلیتا ہے، اور انسانوں سے مشورہ لے لیتا ہے اور پھر اپنے فیصلے پر جم جاتا ہے۔

حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''خدا سے استخارہ کرنا اولادِ آدم کی سعادت ہے اور قضاءِ الٰہی پر راضی ہو جانا بھی اولادِ آدم کی خوش نصیبی ہے اور اولادِ آدم کی بدبختی یہ ہے کہ وہ خدا سے استخارہ نہ کرے، اور خدا کے فیصلے پر ناخوش ہو۔'' (مسند احمد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ، کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح ہمیں قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ اسی طرح استخارہ کرنے کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ آپؐ فرماتے تھے۔

''جب تم میں سے کوئی کسی اہم معاملے میں متردّد ہو تو وہ دو رکعت نماز پڑھ کر استخارہ کی دعا پڑھے،، (بخاری)

• مشورہ

قرآن پاک میں مومنین کی ایک لازمی صفت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ آپس میں مشورے سے کام کرتے ہیں۔

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَيْنَهُمْ۔

"اور انکے کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں۔"

اجتماعی معاملات میں مشورہ کرنا تو ناگزیر ہے ہی۔ انفرادی معاملات میں بھی دوسروں سے مشورہ کرنا پسندیدہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت تاکیدی انداز میں اس کی ترغیب دی ہے۔ کون نہیں چاہتا، کہ وہ ندامت نہ اُٹھائے اور کسی معاملے میں اس کو پشیمانی نہ ہو، اس کی کامیاب تدبیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتائی کہ ہر کام میں مشورہ کا اہتمام کیا جائے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"جن لوگوں نے حق بات کی جستجو میں آپس کے مشورے سے کام لیا۔ ان کو صحیح راستے کی جانب رہنمائی ضرور حاصل ہوئی"

دراصل آپس کے مشورے سے معاملے کے بہت سے ایسے پہلو بھی سامنے آجاتے ہیں جن تک بعض اوقات اپنی نگاہ نہیں پہنچ پاتی، اور آدمی بہت سی

رایوں اور ذہنوں کی مدد سے شرح صدر کے ساتھ کسی رویے کو اختیار کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

مشورہ لیتے وقت دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ مشورہ صرف ان لوگوں سے لیا جائے، جن کی بصیرت، نیکی اور خیر خواہی پر اعتماد ہو۔ دوسرے یہ کہ جس سے مشورہ لیا جائے اس کے سامنے سارے حالات رکھ دیے جائیں۔ کوئی بات چھپائی نہ جائے۔

میانہ روی

اعتدال اور میانہ روی کی تاکید اور تلقین کے معاملے میں اسلام تمام مذاہب سے ممتاز ہے، وہ ہر عمل میں میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے یہاں تک کہ عبادت میں بھی اعتدال اور میانہ روی کی تاکید کرتا ہے۔ البتہ اوپر کی حدیث میں خاص طور پر خرچ میں میانہ روی کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

کفایت شعار اور فضول خرچی سے پرہیز کرنے والا کبھی تنگ دستی اور فقرو فاقہ میں مبتلا نہ ہوگا۔ وہ اپنے حالات اور اپنی آمدنی کے مطابق نہایت سوچ سمجھ کر خرچ کرے گا۔ نہ نمود و نمائش میں رقم ضائع کرے گا۔ نہ عیش و عشرت میں اپنی دولت اڑائے گا اور نہ فضول خرچی میں اپنی دولت اٹھائے گا۔ بلکہ جو

کچھ خرچ کرے گا سوچ سمجھ کر خرچ کرے گا۔

قرآن پاک میں فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے اور مومنوں کی ایک لازمی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ درمیانی روش اختیار کراتے ہیں، نہ وہ بخل کرتے ہیں نہ اسراف میں مبتلا ہوتے ہیں۔ بلکہ درمیانی روش اختیار کرتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ○

''اور یہ لوگ خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی اختیار کرتے ہیں بلکہ درمیانی روش اختیار کرتے ہیں۔''

ایک اور موقعہ پر قرآن نے مومن کو ہدایت دی ہے کہ

وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْماً مَّحْسُوْراً ○

''نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔''

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''خوش حالی میں میانہ روی کیا ہی خوب ہے، ناداری میں اعتدال کی روش

کیا ہی اچھی چیز ہے۔عبادت میں درمیانی انداز کیا ہی بہتر ہے۔" ◆◆◆

تکبّر اور اس کا ہولناک انجام
(۲۴)

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَبْعَثُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ نَاسًا فِیْ صُوَرِ الذَّرِّ یَطَؤُھُمُ النَّاسُ بِاَقْدَامِھِمْ فَیُقَالُ مَاھٰؤُلَآءِ فِیْ صُوَرِ الذَّرِّ فَیُقَالُ ھٰؤُلَآءِ الْمُتَکَبِّرُوْنَ فِی الدُّنْیَا۔ (ترغیب وترہیب بحوالہ بزّار)

"حضرت جابرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔" قیامت کے روز خدا کچھ لوگوں کو چیونٹیوں کی شکل میں اٹھائے گا۔لوگ انھیں اپنے قدموں سے روندیں گے۔پوچھا جائے گا۔یہ چیونٹیوں کی شکل میں کون لوگ ہیں؟ انھیں بتایا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تکبّر کرتے تھے۔"

چیونٹیوں کی شکل میں ہونا اور پھر قدموں سے روندا جانا انتہائی ذلّت آمیز عذاب ہے، جس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور عبرت ہوتی

ہے مگر حقیقت میں اس حدیث سے عبرت حاصل کرنے والے وہی خوش نصیب ہیں جو اس حدیث کو سننے اور پڑھنے کے بعد تکبّر کی حقیقت معلوم کرنے اور اس سے بچنے کی فکر میں لگ جائیں۔

تکبّر کے لفظی معنی ہیں، اپنے کو بڑا سمجھنا، قرآن وسنّت کی روشنی میں اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی خدا کو اپنا مالک، آقا، محسن اور رب تو مانے، زبان سے اقرار بھی کرے لیکن خدا کا حکم نہ مانے۔ خدا کے قانون سے سرتابی کرے اور اپنے کو بڑی چیز سمجھ کر احکامِ الٰہی کی اتباع سے اپنے کو بالاتر سمجھے، شیطان کے کردار پر غور کیجئے۔ یہ خدا کو اپنا مالک آقا اور رب بھی کہتا ہے، بار بار اس کو رب کہہ کر پکارتا ہے۔ مگر جب وہ حکم دیتا ہے کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو وہ سرکش انکار کرتا ہے اور تکبّر کا اظہار کرتا ہے۔ قرآن میں ہے۔ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ، اس نے انکار کیا اور تکبّر میں مبتلا ہوا۔ دنیا میں سب سے پہلا اور سب سے بڑا متکبّر شیطان ہے۔ اور وہ سارے لوگ جو تکبّر اور غرور کی بیماری میں مبتلا ہیں انہیں شعور ہو یا نہ ہو، وہ شیطان کی راہ پر ہیں، اور عملاً اسی کو اپنا آقا اور رہبر بنائے ہوئے ہیں۔

مسلمانوں میں وہ لوگ جو خدا کو اپنا مالک، اپنا محسن اور اپنا رب مانتے ہیں۔ زبان سے اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کرتے ہیں لیکن اس کے احکام نہیں

مانتے، خدا نے نماز فرض کی، زکوٰۃ فرض کی، روزہ فرض کیا، حج فرض کیا، مگر وہ نہ نماز پڑھتے ہیں نہ زکوٰۃ دیتے ہیں، نہ روزہ رکھتے ہیں۔ اور نہ حج کرنے جاتے ہیں اور نہ انھیں دوسرے دینی احکام کی پابندی سے کوئی دلچسپی ہے۔ درحقیقت یہ تکبّر میں مبتلا ہیں۔ اور انکا کبرِ نفس انھیں روکتا ہے کہ وہ خدا کے حکموں کے آگے جھکیں، وہ خود کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور یہ بات انھیں اپنے مرتبے سے گری ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ وہ خدا کی بندگی کریں۔ اور اس کے احکام کو بجالائیں۔ اُن کی نظر میں وہ لوگ بھی حقیر اور سماج کے گرے پڑے لوگ ہوتے ہیں جو دیندارانہ زندگی گزارتے ہیں۔ نماز روزے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور اپنی وضع قطع اور اعمال وافعال میں شریعت کی اتّباع کرتے ہیں۔ متکبّر آدمی کبھی ہدایت نہیں پاتا، اس کا کِبر اسے حق کے آگے جھکنے ہی نہیں دیتا۔ اسی لیے خدا کے رسولؐ نے فرمایا ''جس کے دل میں ذرّہ برابر بھی تکبّر ہوگا وہ جنّت میں داخل نہ ہو سکے گا۔'' تکبّر کی یہ عبرتناک سزا ہی بتاتی ہے کہ خدا کو یہ برائی کس قدر ناگوار ہے۔ ایک موقع پر خدا کے رسولؐ نے خود تکبّر کی تشریح اس طرح فرمائی ہے۔ اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطِ النَّاسِ ''تکبّر حق کے مقابلے میں اکڑنے اور اترانے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا نام ہے۔''

◆◆◆

ہدایت کے دو سرچشمے

(۲۵)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا کِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِ اللهِ۔ (موطاما لک، مشکوٰۃ)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم نے فرمایا۔ میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، تم ہرگز نہ بھٹکو گے جب تک ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے۔ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنّت۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُمت سے رخصت ہوتے ہوئے اُمت کے لئے دو چیزیں چھوڑ گئے اللہ کی کتاب اور اپنی سنّت۔ اُمت جب تک ان دونوں چیزوں کو مضبوط پکڑے رہے گی ہدایت کی سیدھی شاہراہ پر قائم رہیگی اور ہرگز نہ بھٹکے گی۔ دینِ حق کے اصل مآخذ اور سرچشمے دو ہی ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔

کتاب اللہ کو مضبوط پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اُمت اسی کو ہدایت کا اصل

سرچشمہ سمجھے اور زندگی کے سارے معاملات میں سچے دل سے اس کی پیروی کرے۔رہتی دنیا تک خدا کا آخری مستند، محفوظ اور مکمّل ہدایت نامہ قرآن ہی ہے۔ دنیا کی کامرانی اور آخرت کی فلاح اسی کو نصیب ہوگی جو اس پر ایمان لائے اور اس کی تعلیمات اور احکام کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی ڈھالے۔اس کی ہدایات اور اصول ایسے عالمگیر، دائمی اور لچکدار ہیں کہ ہر دور اور ہر زمانے کے ہر طرح کے پیدا شدہ حالات اور نت نئے مسائل میں ٹھیک رہنمائی کرتے ہیں اور زندگی کے کسی معاملے میں بھی انسان کو اندھیرے میں بھٹکتا نہیں چھوڑتے۔

سنّتِ رسولؐ کو مضبوط پکڑنے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی یہ یقین رکھے کہ قرآن کے مطابق زندگی گزارنے کا واحد ذریعہ سنّتِ رسولؐ کی پیروی ہے۔سنّت قرآن کی عملی تشریح ہے۔قرآن نے جو کچھ بتایا ہے، رسولؐ نے وہ کر کے دکھایا ہے اور اس طرح مکمّل شکل میں کر کے دکھایا ہے کہ پوری جدّ و جہد کے باوجود اس کی نقل کا حق بھی ادا کرنا آسان نہیں ہے۔سنّت کی پیروی در اصل قرآن کے احکام پر ہی عمل ہے دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا، اسلام کی شاہراہ پر ٹھیک چلنے کے لئے ناگزیر ہے کہ امت اسلام کے ان دونوں سرچشموں کو مضبوط پکڑے اور اس یقین کے ساتھ اسلام کی شاہراہ پر چلے، کہ جو

کچھ ان دونوں میں ہے وہی اصل اور سچّا دین ہے اور جو کچھ ان دونوں میں نہیں ہے وہ ہرگز دین نہیں ہے۔

اسلام اگر اُمت کو عزیز ہے اور وہ اخلاص کے ساتھ اسلام کی سیدھی شاہراہ پر چلنا چاہتی ہے، تو ضرورت ہے کہ قرآن پاک کو پڑھنے پڑھانے، سمجھنے سمجھانے کا اہتمام ہو، اس کے احکام اور تعلیمات سے عام طور پر مسلمان واقف ہوں اور اسلامی سوسائٹی میں ہر طرف اس کا چرچا ہو، اس کے احکام کی پابندی ہو۔ خدا کے رسولؐ کا ارشاد ہے۔

''وہ شخص قرآن پر ایمان نہیں رکھتا جس نے اس کی منع کی ہوئی چیزوں کو اپنے لئے حلال کر رکھا ہے۔'' (ترمذی)

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اسلامی سماج میں سُنّتِ رسولؐ کی اتّباع کا جذبہ عام ہو، زندگی کے ہر معاملے میں اتّباعِ سنّت کا اہتمام ہو۔ اور سنّت کا قیام ہی زندگی کا اصل نصب العین ہو۔ رسولؐ پر ایمان اور رسولؐ سے محبت کے معنیٰ ہی یہ ہیں کہ سنّتِ رسولؐ سے محبت ہو، اور جب سنّت مٹ رہی ہو تو مسلمان اس کو قائم کرنے کے لئے تن من دھن سب کچھ لگا دے۔

◆◆◆

تلاوتِ قرآن

(۲۶)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَءُ الْحَدِيْدُ اِذَا اَصَابَهُ الْمَاءُ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَمَا جَلَاءُهَا ؟ قَالَ كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَ تِلَاوَةُ الْقُرْاٰنِ۔ (البیہقی، مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔'' یہ قلوب بھی زنگ آلود ہو جاتے ہیں جس طرح پانی پڑنے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ پھر دلوں کا زنگ دور کرنے اور جلا بخشنے کا کیا طریقہ ہے؟ ارشاد فرمایا۔ کثرت سے موت کی یاد اور قرآن کی تلاوت۔''

بُرے خیالات، گندے جذبات، بُغض و عناد، کینہ کدورت اور گناہ و خطا سے دل پر ایک طرح کا میل اور سیاہی آجاتی ہے اسی کو دل کا زنگ کہا گیا ہے۔ اس زنگ اور غبار کو دور کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزیں بتائی

ہیں۔ موت کی کثرت سے یاد اور تلاوتِ قرآن۔

کثرت سے موت کی یاد کا مطلب یہ ہے کی آدمی شعور کے ساتھ ہر وقت یہ بات اپنے سامنے رکھے، کہ زندگی کی یہ مہلت بہر حال ایک دن ختم ہونا ہے یہ مہلت ایک ہی بار ملتی ہے۔ دوبارہ پھر عمل کرنے کیلئے کبھی مہلت نہ ملے گی۔ اس لئے اس زندگی کا ایک ایک لمحہ آخرت کی کمائی میں صرف ہونا چاہئے۔

تلاوتِ قرآن کا مطلب یہ ہے کہ آدمی قرآن کو پابندی سے برابر پڑھتا رہے، صحیح صحیح پڑھنے کا اہتمام کرے، اس کی تعلیمات اور آیات پر غور و فکر کرے۔ یکسوئی، اخلاص اور کوشش کے ساتھ اس کے احکام پر عمل کرے اس کے پڑھنے پڑھانے کو رواج دے۔ اس کی اشاعت کرے اور خدا کے بندوں تک اس کا پیغام پہنچائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"شب و روز قرآن کی تلاوت کا حق ادا کرو۔ اس کی اشاعت کرو اور اچھے انداز میں اس کے پڑھنے کا اہتمام کرو۔ اور ہدایت حاصل کرنے کی غرض سے اس میں غور و فکر کرو۔ تا کہ تم کامیاب ہو۔ اور جلد بازی کر کے اس کے ذریعے دنیا کا صلہ مت چاہنا، خدا کی خوشنودی ہی کے لئے اس کی تلاوت کرنا کہ آخرت

ہیں اس کا صِلہ لازمی ہے۔"
(مشکوٰۃ)

حضرت ابوذر غفاریؓ کی درخواست پر آپؐ نے ان کو وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"قرآن کی تلاوت اور اللہ کا ذکر پابندی سے کرتے رہنا، اس کے ذریعے آسمان والوں میں تمہارا ذکر اور چرچا ہوگا اور یہ عمل زندگی کی تاریکیوں میں تمہیں روشنی بخشے گا۔" (مشکوٰۃ)

◆◆◆

حلال روزی

(۲۷)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَأْتِیْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا یُبَالِی الْمَرْءُ مَا اَخَذَ مِنْهُ مِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ
(بخاری)

"حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی اس بات کی پروانہ کرے گا کہ اس نے کیا کہاں سے کمایا، حلال کمایا یا حرام؟"

یعنی وہ ایسا آزادی اور بے دینی کا دور ہوگا کہ حلال و حرام کی تمیز ہی نہ رہے گی۔ مگر خدا سے ڈرنے والے مسلمان کو ایسے دور میں بھی حلال کا اہتمام کرنا ہے خواہ یہ کام کتنا ہی دشوار ہو، ـــــ یہ یقین رکھنا چاہئے کہ جب تک زندگی ہے روزی بہر حال ملے گی۔ سہولت سے ملے یا دشواری سے، فراخی سے ملے یا تنگی سے۔

ایک موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"لوگو! اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے رہو، اور روزی کی تلاش میں غلط طریقے مت اختیار کرو۔ اس لئے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مر سکتا جب تک وہ اپنے حصہ کی روزی پوری نہ لے لے یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے ملنے میں کچھ تاخیر ہو جائے تو خدا سے ڈرتے رہو، اور روزی حاصل کرنے میں اچھا طریقہ اختیار کرو۔ حلال روزی حاصل کرو۔ اور حرام روزی کے قریب نہ جاؤ۔" (ابن ماجہ)

نیز آپؐ نے فرمایا۔

"ایک آدمی لمبا سفر کر کے مقدس مقام پر آتا ہے۔ غبار سے اٹا ہوا ہے گرد آلود ہے، وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر کہتا ہے۔ اے میرے پروردگار! (اور دعائیں مانگتا ہے) جب کہ اس کا کھانا حرام ہے۔ اس کا پینا حرام ہے اس کا لباس حرام اور حرام ہی سے اس کا جسم پلا ہے، تو ایسے شخص کی دُعا

بھلا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔"

ایک بار ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ حضور میرے لئے دعا فرما دیجئے کہ خدا مجھے مستجاب الدعوات بنا دے، آپؐ نے فرمایا۔ "تم حلال کمائی کھایا کرو خدا تمہیں مستجاب الدعوات بنا دیگا" (طبرانی)

قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک اعمال کی توفیق اُسی کو ہوتی ہے جو حلال اور طیّب روزی کھائے۔ خدا کا ارشاد ہے۔

يَآأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ط

"اے رسولو! پاکیزہ روزی کھاؤ اور نیک اعمال کرو!"

اعمال نیک ہوں یا بد ان کے کرنے کی قوت و سکت کھانے پینے سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اگر آدمی حرام سے جسم کو پال رہا ہے تو پھر اس سے نیک اعمال کی کیا توقع۔ نیک اعمال تو وہی کر سکتا ہے جو پاک اور حلال روزی سے جسم کو قوت و طاقت فراہم کر رہا ہے۔ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ صرف واضح حرام ہی سے نہیں بچتا بلکہ اس چیز سے بھی بچتا ہے جو مشتبہ ہو اور جس کی طرف سے دل میں شک اور کھٹک ہو۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ "اپنے ضمیر سے پوچھ لیا کرو، جس چیز پر تمہارا ضمیر مطمئن ہو وہ جائز ہے اور جس چیز پر دل نہ ٹھکے اور کھٹک محسوس ہو اس سے

بچو چاہے لوگ تمہیں جواز کا فتویٰ دے دیں۔" (مسند احمد)

جب دل میں خدا کا خوف ہوتا ہے تو آدمی ایسی چیزوں سے بھی بچتا ہے جن میں ذرا شبہ ہوتا ہے ہاں خدا کا خوف نہ ہو تو پھر آدمی پروا نہیں کرتا کہ حلال ہے یا حرام۔

آپؐ کا ارشاد ہے۔ "کوئی بندہ حرام کماتا ہے پھر اس میں سے صدقہ کرتا ہے۔ تو یہ صدقہ اس کی طرف سے قبول نہ ہوگا۔ اور اگر یہ مال وہ اپنی ذات اور گھر والوں پر خرچ کرے گا تو خیر و برکت نہ ہوگی۔ اور جب اس کو چھوڑ کر مرے گا۔ تو یہ جہنم کیلئے زادِ راہ بنے گا۔ اللہ برُائی کو برُائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برُائی کو اچھائی سے مٹاتا ہے خبیث خبیث کو نہیں مٹاتا۔"

◆◆◆

لین دین میں نرمی اور فراخدلی

(۲۸)

عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رَحِمَ اللهُ رَجُلاً سَمْحًا اِذَا بَاعَ وَاِذَا اشْتَرٰى وَاِذَا اقْتَضٰى۔ (بخاری)

"حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اللہ کی رحمت ہو اس بندے پر جو بیچنے، خریدنے اور اپنا حق وصول کرنے اور تقاضا کرنے میں نرمی اور فراخدلی سے پیش آئے۔"

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت ہی ولولہ انگیز انداز میں مومن کو ترغیب دی ہے کہ وہ خرید و فروخت، لین دین اور حق کی وصولیابی اور تقاضا وغیرہ کرنے میں نرمی، فیاضی اور فراخدلی سے کام لے۔ کس مومن کی تمنّا نہ ہوگی کہ خدا اس پر رحم کرے۔ اور کون نہیں چاہے گا کہ رسول مقبولؐ کی یہ دُعا اس کے حق میں بھی خدائے تعالیٰ قبول فرما کر اس پر رحم کرے۔ یقیناً رسولؐ کی یہ دُعا آپ کیلئے ہی ہے اگر آپ خرید و فروخت اور لین دین کے معاملات میں نرم اور فراخدل ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ تم سے پہلی کسی اُمت میں ایک آدمی تھا۔ موت کا فرشتہ جب اس کی روح قبض کرنے آیا تو قبضِ روح کے بعد اس سے پوچھا گیا۔ کیا تم نے دنیا میں کوئی نیک عمل کیا تھا۔ وہ کہے گا۔ میرے علم میں تو کوئی بھی ایسا عمل نہیں ہے۔ اس سے کہا جائے گا۔ اپنی زندگی پر نگاہ ڈالو۔ اور سوچو۔ وہ پھر کہے گا۔ میری نظر میں تو کوئی بھی نیک عمل نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ میں جب لوگوں سے خرید و فروخت کا معاملہ کرتا تو میں ان کے ساتھ نرمی

اور درگزر سے پیش آتا، خوشحال لوگوں کو مہلت دیتا، اور تنگ دستوں کو معاف کردیتا تھا۔ تو اللہ نے اس شخص کو جنت میں داخل فرمادیا۔''

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ''تو میں تجھ سے زیادہ حقدار ہوں کہ نرمی اور درگزر سے کام لوں، پھر خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے اس بندے سے درگزر کرو (یہ بخش دیا گیا)''

کس قدر خوش نصیب ہے وہ بندہ جو لین دین کے معاملات میں نرم خو اور فراخدل ہے اور جسے خدا نے یہ توفیق دی ہے کہ وہ لوگوں کو ادائیگی میں مہلت دیتا ہے، ناداروں سے درگزر کرتا ہے اور لوگوں کو معاف کر کے خدا کی رحمت کا مستحق بنتا ہے۔

◆◆◆

قرض دینے کی ترغیب

(۲۹)

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ رَجُلٌ نِ الْجَنَّۃَ فَرَأٰی عَلٰی بَابِہَا مَکْتُوْبًا اَلصَّدَقَۃُ

بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا وَالْقَرْضُ بِثَمَانِيَةَ عَشَرَ۔ (الطبرانی فی الکبیر)

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی جنت میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ جنت کے دروازے پر لکھا ہوا ہے "صدقہ کا اجر و ثواب دس گنا ہے اور قرض دینے کا اجر و ثواب اٹھارہ گنا۔"

اس حدیث میں خوشحال مسلمانوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ خوشدلی سے قرض دینے کی عادت ڈالیں تا کہ اسلامی سوسائٹی میں سہولت کے ساتھ ضرورت مندوں کو قرض مل سکے۔

قرض دینے کا اجر و ثواب صدقہ سے زیادہ ہے، اس لیے کہ صدقہ لینے والا تو اس وقت بھی صدقہ لیتا ہے جب اس کے پاس کچھ ہوتا ہے، مگر قرض مانگنے والا اسی وقت قرض مانگتا ہے جب اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا، اور ظاہر ہے کہ ایسے ضرورتمند کی ضرورت پوری کرنا زیادہ اجر و ثواب کا کام ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ صدقہ دینے کے مقابلے میں قرض دینے میں مال کی محبت کے جذبات دبانے اور نفس کو روندنے کا زیادہ موقع ملتا ہے صدقہ کے مال کے بارے میں تصور یہ ہوتا ہے کہ یہ تو نادار کا حق ہے ہی نہ یہ میری ملکیت ہے نہ میں اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہوں۔ اس کے برعکس قرض میں دیے جانے

والے مال کے بارے میں یہ تصور ہوتا ہے کہ یہ میرا مال ہے۔ مجھے اس سے نفع حاصل کرنے کا حق ہے۔ قرض دے کر وہ اپنا مال دوسرے کی ملکیت میں دیتا ہے اور اپنے نفع کو قربان کر کے دوسرے کو اس سے نفع حاصل کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اسی لیے صدقہ دینا آدمی کے لیے آسان ہوتا ہے اور قرض دینا نفس پر زیادہ گراں ہوتا ہے۔ طلب کرنے والے کو خوشحال آدمی صدقہ زیادہ آسانی اور فراخدلی سے دے دیتا ہے لیکن قرض آسانی سے نہیں دیتا ہے۔ قرض دینا نفس پر زیادہ شاق ہوتا ہے۔

تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام اپنی سوسائٹی کو اقتصادی طور پر مستحکم بنانا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ خوشحال لوگ قرض طلب کرنے والوں کو قرض دیکر اونچا اُٹھانے کی کوشش کریں اور ان کے حالات سدھارنے میں ان کے ساتھ تعاون کریں۔ بہت سے خود دار اور غیرتمند لوگ فاقہ تو گوارا کرتے ہیں لیکن صدقہ اور خیرات لینے کے لیے کسی طرح ان کا دل آمادہ نہیں ہوتا، وہ چاہتے ہیں کہ کچھ قرض رقم فراہم ہو، تو وہ جدو جہد کر کے اپنے حالات کو بھی سدھاریں، اور قرض کی رقم بھی واپس کر دیں۔ دین کا منشاء یہی ہے کہ ایسے غیور اور خود دار لوگوں کی ہمّت بڑھائی جائے اور ان کو سہارا دیا جائے کہ وہ اپنے پیروں پر

کھڑے ہوسکیں، اسلامی سوسائٹی میں قرض ملنے کی سہولت ہونی چاہیے اور خوشحال لوگوں کو ایسا موقع فراہم ہو تو وہ اسے اپنی خوش نصیبی اور خدا کا انعام تصور کریں اور ایسے حالات کبھی پیدا نہ ہونے دیں کہ سوسائٹی کے غیرتمند، خوددار اور عزت والے تنگ دست لوگوں کو مجبور ہو کر دستِ سوال دراز کرنا پڑے۔ ضمنی طور پر ناداروں اور تنگ دستوں کو بھی اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ وہ اپنے عزتِ نفس اور خودداری کی حفاظت کریں، صدقہ لینے کی بجائے قرض لے کر اپنی جدوجہد سے اپنی روزی کمانے اور اپنے حالات کو سدھارنے کی کوشش کریں اور جونہی حالات ٹھیک ہوں قرض ادا کرنے میں عجلت سے کام لیں۔

ادائے قرض سے غفلت، بدترین گناہ

(۳۰)

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَعْظَمَ الذُّنُوْبِ عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ یَّلْقَاہُ بِھَا عَبْدٌ بَعْدَ الْکَبَائِرِ الَّتِیْ نَھَی اللّٰہُ عَنْھَا اَنْ یَّمُوْتَ رَجُلٌ وَعَلَیْہِ دَیْنٌ لَایَدَعُ لَہٗ

(ابوداؤد ج ۲۔ص ۲۲۱)

قَضَاءٌ

"حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ ان کبیرہ گناہوں کے بعد جن سے اللہ تعالیٰ نے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے یہ ہے کہ بندہ اس حال میں دُنیا سے رخصت ہو کہ وہ مقروض ہو اور قرض کی ادائیگی کے لیے اس نے کچھ اثاثہ بھی نہ چھوڑا ہو۔"

قرض سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارشادات سامنے رکھنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسے شخص کی بات کہی جارہی ہے جو بدنیّت ہو، قرض لینے کے بعد دینے کا ارادہ نہ رکھتا ہو، قرض ادا کرنے میں لاپرواہو اور بے وجہ ٹال مٹول کرتا ہو اور اسی حال میں دنیا سے رخصت ہو جائے۔ ایسی صورت میں واقعی مقروض نے ایسے بدترین گناہ کا ارتکاب کیا ہے کہ جس کی معافی کی امید نہیں ہے۔

حضرت ابوقتادہؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ یارسول اللہ! یہ بتائیے کہ اگر میں خدا کی راہ میں صبر وثبات کے ساتھ محض اس کی رضا اور اجرِ آخرت کے لیے لڑوں، پھر ذرا پیچھے نہ ہٹوں بلکہ برابر آگے ہی بڑھتا رہوں، اور اس حال میں شہید ہو جاؤں تو کیا خدا میرے سارے گناہوں

کو بخش دے گا۔ آپ نے جواب میں فرمایا۔ ''ہاں!'' پھر جب وہ شخص لوٹ کر جانے لگا تو آپؐ نے اسے پکارا اور فرمایا۔ ''ہاں سب گناہ معاف فرما دے گا مگر قرض نہیں۔ مجھے جبریل نے اسی طرح بتایا ہے۔'' (صحیح مسلم)

یعنی مجھے وحی کے ذریعے ابھی یہ بات اسی طرح معلوم ہوئی کہ قرض معاف نہیں ہوگا۔ قرض کا معاملہ یہی ہے کہ یا تو ادا کیا جائے یا پھر وہ شخص معاف کرے جس کا قرض ہے۔

اسلام نے خوشحال لوگوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ اپنے تنگ دست بھائیوں کو قرض دیں، قرض کی ادائیگی میں ان کو مہلت اور سہولت دیں۔ ممکن ہو تو کُل یا جز معاف کر دیں۔ لیکن اسی کے ساتھ قرض لینے والوں کو سخت تاکید کی ہے کہ وہ قرض ادا کرنے میں جلدی کریں، اچھے انداز میں قرض ادا کریں۔ اور وسعت ہونے کے بعد خواہ مخواہ ٹال مٹول نہ کریں۔ جو لوگ قرض لینے کے بعد ادائیگی کی ذرا فکر نہیں کرتے، قرض لے کر دینے کا ارادہ ہی نہیں رکھتے ایسے لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت تنبیہہ کی ہے۔ طرح طرح کی وعیدیں ان کے لیے آئی ہیں۔ حد یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقروض لوگوں کی نمازِ جنازہ پڑھانے سے بھی انکار کر دیا ہے۔

رہے وہ نادار لوگ جو قرض لینے کے بعد، قرض ادا کرنے کے لیے فکرمند رہتے ہیں، اور پوری دوڑ دھوپ کرتے ہیں کہ قرض ادا کردیں۔ تو اللہ تعالیٰ غیب سے لوگوں کا قرض ادا کرنے کے لیے سبیلیں پیدا فرمائے گا۔

حضرت میمونہؓ کا بیان ہے وہ فرماتی ہیں میں نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ آپ فرماتے تھے۔ ''جو بندہ قرض لے اور خدا کے علم میں ہو کہ اس شخص کی نیّت اور ارادہ یہ ہے کہ وہ قرض ضرور ادا کرے گا تو خدا اس کا قرضہ دنیا ہی میں ادا کرادے گا۔''

اور اگر کوئی خستہ حال نیّت اور ارادے اور پوری جدوجہد کے بعد بھی قرض ادا نہ کرسکے اور بے چارہ اسی حال میں وفات پاجائے تو خدا کی ذات سے امید ہے کہ وہ اس کی طرف سے ادا فرمادے گا اور اپنی مہربانی سے اسے اس بوجھ سے سبکدوش کردے گا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

''جو شخص لوگوں سے قرض اُدھار لے اور اس کا ارادہ ادا کرنے ہی کا ہے تو خدا وہ قرضہ اس سے ادا کرادے گا اور جو شخص لوگوں سے قرض لے اور اس کا ارادہ مار لینے ہی کا ہے تو خدا اس کی وجہ سے اُسے تباہ کردے گا۔'' (بخاری)

◆◆◆

اطاعتِ والدین کا درجۂ کمال

(۳۱)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصْبَحَ مُطِیْعًا لِلّٰہِ فِیْ وَالِدَیْہِ اَصْبَحَ لَہٗ بَابَانِ مَفْتُوْحَانِ مِنَ الْجَنَّۃِ وَاِنْ کَانَ وَاحِدًا فَوَاحِدًا وَمَنْ اَمْسٰی عَاصِیًا لِلّٰہِ فِیْ وَالِدَیْہِ اَصْبَحَ لَہٗ بَابَانِ مَفْتُوْحَانِ مِنَ النَّارِ وَاِنْ کَانَ وَاحِدًا فَوَاحِدًا قَالَ رَجُلٌ وَاِنْ ظَلَمَاہُ قَالَ وَاِنْ ظَلَمَاہُ وَاِنْ ظَلَمَاہُ۔ (مشکوٰۃ)

”حضرت عبداللہ رض کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس آدمی نے اس حال میں صبح کی کہ وہ ماں باپ کے بارے میں اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام اور ہدایتوں کی فرماں برداری کرنے والا تھا تو اس نے گویا ایسے حال میں صبح کی کہ اس کے لیے جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک ہو تو گویا جنت کا ایک دروازہ کھلا ہوا ہے، اور جس آدمی

نے اس حال میں صبح کی کہ وہ ماں باپ کے بارے میں اللہ کے بھیجے ہوئے احکام وہدایت سے منہ موڑنے والا ہے تو اس نے ایسے حال میں صبح کی کہ اس کے لیے دوزخ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور ماں باپ میں کوئی ایک ہو تو گویا دوزخ کا ایک دروازہ کھلا ہوا ہے۔"

اُس آدمی نے پوچھا:۔

"اے اللہ کے رسول اگر ماں باپ اس کے ساتھ زیادتی کر رہے ہوں تب بھی، فرمایا، ہاں اگر زیادتی کر رہے ہوں تب بھی، اگر زیادتی کر رہے ہوں تب بھی، اگر زیادتی کر رہے ہوں تب بھی۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تاکید کے لیے ایسا اندازِ بیان اختیار فرمایا ہے جس سے یہ حقیقت بھی کُھل کر سامنے آجاتی ہے، کہ اطاعت تو بس اللہ ہی کی ہونی چاہیئے، اس کے سِوا کسی کی اطاعت جائز نہیں۔ ماں باپ کی اطاعت اور ان کے ساتھ نیک سلوک بھی اس لیے ہے کہ خدا نے ماں باپ کا یہ حق بتایا ہے اور ان کی فرماں برداری اور خدمت کا حکم دیا ہے۔ کسی ایسے معاملے میں ہرگز ماں باپ کی اطاعت جائز نہیں جس میں خدا کی نافرمانی ہوتی ہو۔

ماں باپ کی زیادتی کے باوجود حُسن سلوک کی تاکید کا مطلب یہ ہے کہ اگر ماں باپ اپنی سخت مزاجی یا تنک مزاجی سے ایسے مطالبات کرنے لگیں جن کا پورا کرنا اولاد کے لیے دشوار ہو، یا اولاد کی قوتِ برداشت کا خیال کئے بغیر زیادہ سے زیادہ جسمانی محنت لینے لگیں یا اولاد کی حیثیت سے زیادہ مالی مطالبات کرنے لگیں۔ تب بھی اولاد کو چاہیئے کہ وہ اپنے جذبات پر قابو رکھ کر اپنے اوپر جبر کر کے ان کی خدمت کرے اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرے ــــــ اس صورت میں اگرچہ اولاد پر اطاعت واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ کسی پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا لیکن اطاعتِ والدین کا درجۂ کمال بہرحال یہی ہے کہ اولاد اپنی پروا کئے بغیر ماں باپ کی خدمت میں اپنی زندگی کھپا دے اور انہیں راضی رکھنے اور آرام پہنچانے کے لیے اپنا سب کچھ تج دے۔ ہاں اگر وہ کوئی ایسا مطالبہ کریں جس سے دوسروں کا حق مارا جاتا ہو، اور جس کا کوئی تکلیف دہ اثر دوسروں پر پڑتا ہو، یا جس سے براہ راست خدا کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو، تو ایسی صورت میں والدین کی اطاعت واجب نہیں مثال کے طور پر وہ کسی کا مالی حق ادا کرنے سے روکتے ہوں یا لڑکی کو شوہر کی نافرمانی پر بلاوجہ آمادہ کرتے ہوں یا لڑکے کو بیوی کے ساتھ بلاوجہ زیادتی کے لیے مجبور کرتے ہوں یا اولاد کو دین سے

بغاوت پر آمادہ کرتے ہوں تو ایسی صورت میں والدین کی اطاعت ہرگز جائز نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اس کی ناک خاک آلود ہو۔" تین بار آپؐ نے یہ بات فرمائی۔ لوگوں نے کہا۔ اے اللہ کے رسولؐ! کون ذلیل ہو؟ آپؐ نے فرمایا"۔ وہ شخص جس نے اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پایا۔ ان دونوں میں سے ایک کو یا دونوں کو اور پھر ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہوا"۔ (مسلم)

نارِ جہنّم سے آڑ

(۳۲)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ : دَخَلَتْ عَلَیَّ امْرَأَةٌ وَمَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا تَسْأَلُ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِیْ شَیْئًا غَیْرَ تَمْرَةٍ وَّاحِدَةٍ فَأَعْطَیْتُهَا اِیَّاهَا فَقَسَمَتْهَا بَیْنَ ابْنَتَیْهَا وَلَمْ تَاْکُلْ مِنْهَا ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ فَدَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَیْنَا فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ : مَنِ ابْتُلِیَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ

بِشَیْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَیْهِنَّ کُنَّ لَهُ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ۔

(بخاری، مسلم)

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ میرے پاس ایک عورت اپنی دولڑکیوں کو لئے ہوئے مانگنے کیلئے آئی، اس وقت میرے پاس کچھ نہ تھا، بس ایک کھجور تھی، وہی کھجور میں نے اس کے ہاتھ پر رکھ دی، اس نے وہی کھجور اپنی دونوں بیٹیوں کو آدھی آدھی دے دی اور خود ذرا نہیں چکھی، پھر اٹھی اور چلی گئی۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر آئے۔ تو میں نے ان کو یہ واقعہ سُنایا، آپؐ نے فرمایا" جو شخص بھی ان بچیوں کے ذریعے آزمائش میں ڈالا گیا اور اس نے ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کیا تو یہ بچیاں اس کے لئے جہنّم کی آگ سے آڑ بن جائیں گی۔"

دنیا میں لڑکی کی ذات سے کسی مادّی فائدے کی توقع نہ ہو تو نہ سہی، رسولؐ کی صداقت اور آخرت پر یقین رکھنے والے ماں باپ کیلئے لڑکی کے ساتھ حُسن سلوک کا اس سے بڑا قوی محرک اور کیا ہوگا کہ یہی کمزور بچیاں قیامت کے روز اس کے لئے جہنم کی بھڑکتی آگ سے آڑ بن جائیں گی۔

♦♦♦

اولاد کے ساتھ حُسنِ سلوک

(۳۴)

عَنِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَكْرِمُوْا اَوْلَادَكُمْ وَاَحْسِنُوْا اَدَبَهُمْ۔ (ابن ماجہ)

"حضرت ابن عباسؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اولاد کے ساتھ عزت و اکرام کا سلوک کرو۔ اور انھیں اچھی تعلیم و تربیت دو۔"

اولاد کے ساتھ حسنِ سلوک، رحم و کرم کا برتاؤ، ان کی خودداری اور عزّتِ نفس کا خیال، محبت و پیار اور ان کو اچھی تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنا ایک فطری جذبہ ہے۔ مگر مسلمان کیلئے یہ عمل بھی محض طبعی جذبے کی تسکین کا سامان ہی نہیں ہے، بلکہ دین کا تقاضا ہے، رسولؐ کی سنّت ہے اور آخرت کو سنوارنے اور بنانے کا ذریعہ ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے۔

"باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے اس میں سب سے بہتر عطیہ اولاد کی اچھی تعلیم و تربیت ہے۔"

اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا۔

"جس شخص نے قرآن کا علم حاصل کیا اور اس پر عمل بھی کیا۔ اس کے ماں باپ کو قیامت کے روز تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی اس سورج کی روشنی سے زیادہ بہتر ہوگی جو دُنیا کے گھروں کو روشن کرتا ہے تو کہو تمہارا کیا خیال ہے ایسے شخص کے بارے میں جس نے یہ عمل کیا۔" (ابوداوٗد۔ حاکم)

"ایک بار ایک بدّو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور بولا۔ کیا آپ لوگ بچوں کو چومتے اور پیار کرتے ہیں۔ ہم تو بچّوں کو نہیں چومتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا۔" میرے قبضے کی کیا بات ہے اگر خدا نے تمہارے دل سے رحم نکال دیا ہے۔"

بعض لوگ اولاد کے ساتھ ہنسنے کھیلنے ان کے ساتھ مشغول رہنے، ان کو گود میں لینے اور چومنے پیار کرنے کو کچھ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ اسلام اس طرزِ فکر کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور ارشادات سے

معلوم ہوتا ہے کہ یہ پسندیدہ اور مطلوب عمل ہے۔ اور جو اولاد کے ساتھ رحم و کرم اور پیار و محبت کا سلوک نہیں کرتا اس کا دل رحم سے خالی ہے۔ ♦♦♦

سب سے اچھی عورت

(۳۴)

قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ النِّسَاءِ خَیْرٌ قَالَ الَّتِیْ تَسُرُّہٗ اِذَا نَظَرَ وَ تُطِیْعُہٗ اِذَا اَمَرَ وَلَا تُخَالِفُہٗ فِیْ نَفْسِھَا وَلَا مَا لِھَا بِمَا یَکْرَہُ۔

(ابوداؤد، نسائی)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کون سی عورت سب سے اچھی ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ "جو اپنے شوہر کو خوش کردے جب بھی وہ اس پر نظر ڈالے ۔ اور جو اطاعت کرے جب بھی وہ اس سے کسی کام کیلئے کہے، اور جو اپنی جان اور اپنے مال کے بارے میں ایسا کوئی رویہ اختیار نہ کرے جو اس کے شوہر کو ناپسند ہو"

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہترین عورت کی تین خوبیاں بیان کی ہیں۔

۱۔ یہ کہ وہ اپنی سیرت وصورت اور اخلاق ووفاداری کی وجہ سے اپنے شوہر کیلئے اس قدر پرُکشش اور باعثِ سکون ہو کہ شوہر جب بھی اس پر نظر ڈالے اس کا دل باغ باغ ہو جائے۔ وہ اس پیکرِ محبت کا مسرور چہرہ اور محبت بھری نگاہیں دیکھ کر سارے غموں اور الجھنوں کو یکسر بھول جائے۔ شوہر کو یہ خوشی اور مسرّت اسی وقت حاصل ہوگی جب اس کی بیوی ظاہر و باطن ہر اعتبار سے اس کیلئے وجہ سکون اور پرُکشش ہو، اگر وہ صورت کے اعتبار سے تو چاند کو شرمائے، لیکن اخلاق، محبت اور وفاداری کے زیوروں سے آراستہ نہ ہو۔ تو شوہر کو مسرور و شادماں نہیں کرسکتی، اسی طرح اگر سیرت واخلاق کی مالک تو ہو، لیکن ہر وقت گندی اور غم زدہ رہے۔ نہ اُسے زینت وآرائش سے کوئی مطلب ہو اور نہ کبھی اس کے چہرے پر فرحت ومسرّت ہی نظر آئے تو ایسی عورت بھی شوہر کو کوئی خوشی نہیں دے سکتی، اسلام کی نظر میں سب سے اچھی عورت وہی ہے، جو ظاہر و باطن ہر لحاظ سے شوہر کیلئے وجہ مسرت اور باعثِ سکون ہو۔

۲۔ سب سے اچھی عورت کی دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ شوہر کی اطاعت گزار ہو، عورت کا فطری مقام یہی ہے کہ وہ شوہر کی اطاعت کرے اور گھریلو زندگی

میں ہمیشہ شوہر کی رائے اور مرضی کو پیشِ نظر رکھے، بلکہ شوہر کی خوشی اور مرضی ہی اس کے لئے سب کچھ ہو، شوہر کا حکم پا کر کبھی اس کے ماتھے پر شکن نہ آئے، بلکہ اطاعت اور فرماں برداری میں وہ روحانی سرور اور قلبی سکون محسوس کرے۔

۳۔ تیسری خوبی یہ کہ وہ اپنی ذات کے معاملے میں کبھی کوئی ایسا رویّہ اختیار نہ کرے جو شوہر کو ناگوار ہو، اپنی آرائش و زیبائش میں بھی شوہر کی پسند کا لحاظ کرے، رہن سہن کے انداز میں بھی شوہر کی مرضی کو پیشِ نظر رکھے۔ میل جول، آنے جانے اور تقریبات وغیرہ کی شرکت میں بھی شوہر کے مزاج اور منشاء کے مطابق عمل کرے۔ صرف انہی لوگوں سے میل جول اور تعلق رکھے، اور اتنا ہی تعلق رکھے جتنا شوہر کو پسند ہو۔ صرف انہی لوگوں کو اپنے یہاں آنے دے اور خود بھی انہی لوگوں کے یہاں جائے جن کا آنا یا جن کے یہاں جانا شوہر پسند کرے۔

اسی طرح اپنے مال کے بارے میں بھی کوئی ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کرے جو شوہر کی پسند اور منشا کے خلاف ہو، عورت کا اپنا مال وہ بھی ہے جو اپنے والدین

کے یہاں سے جہیز میں لائی ہے، وہ بھی ہے جو ورثہ میں اس کو ملا ہے۔ اور وہ بھی ہے جو شوہر کے گھر کی ملکہ کی حیثیت سے شوہر نے اس کی نگرانی اور حفاظت میں دیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث دراصل قرآن پاک کے اس فقرے کی تشریح ہے۔

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ ط

"پس جو صالح عورتیں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے خدا کی حفاظت ونگرانی میں انکے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔"

ایسی ہی عورت کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"دنیا ساری کی ساری فائدہ اٹھانے کی متاع ہے، اور دُنیا کی بہترین متاع نیک اور صالح خاتون ہے۔" (مسلم)

◆◆◆

سب سے اچھا مرد

(۳۵)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَاءِهِمْ (ترمذی)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کامل ایمان والے وہ ہیں جو اپنے اخلاق میں سب سے اچھے ہیں اور تم میں سب سے اچھے وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں سب سے اچھے ہیں۔"

ایمان خدا اور اس کے دین پر پختہ یقین کا نام ہے۔ ایمان و یقین نظر آنے والی چیز نہیں ہے، جو کچھ ہمیں نظر آتا ہے وہ انسان کے اخلاق اور معاملات اور برتاؤ ہے۔ ایمان کس درجے کا ہے، اس کا اندازہ ہم اخلاق اور برتاؤ سے ہی کر سکتے ہیں، ایمان سے اچھے اخلاق، اچھی عادتیں، اچھے معاملات اور اچھی صفات ہی پیدا ہوتی ہیں۔ دل میں اگر ایمان موجود ہے تو عملی زندگی میں اس

ے نیکیاں ہی پھوٹیں گی۔ نیک اخلاق اور پسندیدہ صفات ایمان کے لازمی ثمرات ہیں اور جو شخص اخلاقی خوبیوں سے آراستہ ہے وہ یقینا مومنِ کامل ہے۔ پھر اچھی عادات، اچھے اخلاق اور اچھے برتاؤ کو جانچنے کا پہلا اور اصل فطری میدان گھریلو زندگی ہے اور بالخصوص زندگی کی وہ شریکِ حیات ہے جو عقدِ نکاح میں آنے کے بعد مرد کی زندگی میں سب سے زیادہ دخیل، سب سے زیادہ قریب اور ہمہ وقت متعلق ہے۔ شریکِ حیات کے ساتھ زندگی گزارنے ہی میں مزاج و اخلاق اور سیرت و کردار کا ہر رُخ سامنے آتا ہے۔ گھریلو زندگی میں تصنّع اور بناوٹ کا پردہ زیادہ دیر تک پڑا نہیں رہ سکتا، اس میدان میں جو شخص نرم مزاج، انصاف پسند، ایثار پیشہ، کشادہ دل، بردبار، ہمدرد و غم گسار ہے تو وہ یقینا مسلمانوں کی سوسائٹی کا سب سے بہترین آدمی ہے۔ گھریلو زندگی میں عظمت اور بھلائی کی بات یہ نہیں ہے کہ آدمی ہر وقت اپنی بڑائی جتائے کسی وقت اپنی بات نیچی نہ ہونے دے۔ ہر وقت حکمراں بنا رہے، تیوری چڑھائے رکھے، اور اپنا رعب جمانے کی فکر میں رہے۔ عظمت، بھلائی اور دینداری کی بات یہ ہے کہ اہلِ خانہ کے ساتھ آدمی، خوش مزاجی، بے تکلّفی، دلجوئی، مہربانی، شفقت، محبت، نرمی، دلداری، عفو و درگزر اور غمگساری سے پیش آئے، گھریلو زندگی میں،

دلکشی اور خوشگواری اسی طرح پیدا ہو سکتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''مومن اپنی مومنہ بیوی سے، نفرت و بیزاری کا اظہار نہ کرے۔ اگر اس کی کوئی عادت اسے ناپسند ہے تو ہو سکتا ہے کہ کوئی دوسری خوبی اُسے پسند آجائے۔'' (مسلم)

اور پھر یہ بھی فرمایا:۔

''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے حق میں سب سے بہتر ہے اور میں تم سب میں اپنے اہل خانہ کیلئے بہتر ہوں''۔ (ابن حبان)

یہ احادیث دراصل قرآن حکیم کے اس فقرے کی عملی تشریحات ہیں۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ط

''اور ان کے ساتھ اچھے سلوک کی زندگی گزارو''۔

♦♦♦

ایمانی رشتہ

(۳۶)

عَنِ النُّعْمَانِ ابْنِ بَشِيْرٍ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. اَلْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ وَاِنِ اشْتَكٰى رَأْسُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ۔ (مسلم)

"نعمان ابن بشیرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمام مومنین گویا ایک شخص کی طرح ہیں کہ اگر ایک آنکھ دُکھتی ہے تو اُس کا سارا ہی جسم دُکھتا ہے اور اگر اس کا سر دُکھتا ہے تو بھی اس کا سارا جسم دُکھتا ہے۔"

اسلام میں ایک دوسرے سے الگ اور بکھرے ہوئے مسلمانوں کا کوئی تصوّر نہیں۔ وہ تو ایک ایسا معاشرہ بنانا چاہتا ہے جس میں مسلمان آپس میں اس طرح پیوست ہوں جس طرح ایک جسم کے تمام اعضاء۔

کفر کی سب سے نمایاں خرابی آپس کا بُغض اور افتراق ہے اور اسلام کی

سب سے نمایاں خوبی آپس کی اُخوّت اور اتحاد ہے۔ اسلام سے پہلے "حیاتِ کفر" کی سب سے بڑی اور اولین خرابی یہی افتراق اور آپس کی عداوت قرار دی گئی ہے۔ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءً "جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔"

اور "اسلامی حیات" کی سب سے نمایاں اور اولین خوبی اتحاد اور باہمی اخوت بتائی گئی ہے۔

فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا۔ ط

"پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ڈال کر جوڑ دیا اور تم اللہ کی نعمت "اسلام" کی بدولت آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔"

آپس کی محبت، ہمدردی اور ایثار کی جو اعلیٰ مثال اسلامی معاشرے نے مدینہ میں پیش کی ہے اخلاق وتمدن کی پوری تاریخ اس سے یکسر خالی ہے۔

اوس اور خزرج یمن کے رہنے والے دو بھائی تھے۔ ان دونوں کی اولاد مدینہ میں قبیلہ اوس اور خزرج کے نام سے آباد تھی۔ دونوں میں زمانۂ دراز سے لڑائیاں ہوتی چلی آرہی تھیں۔ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ لیکن اسلام کی بدولت دونوں آپس میں اس طرح شیر وشکر ہو گئے کہ گویا

ان کو کسی نے ''یہ بھولی ہوئی بات'' یاد دلادی کہ وہ دونوں بھائیوں کی اولاد ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مکان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان ''رشتۂ اُخوت'' قائم فرمایا تھا۔ اس رشتہ کا انصار نے جس طرح پاس ولحاظ کیا اور خلوص وایثار کی جو مثالیں قائم کیں وہ رہتی دُنیا تک یادگار رہیں گی۔

حضرت سعد ابن ربیع رضی اللہ عنہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اسلامی بھائی بنائے گئے تو انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ میرا آدھا مال لے لیں اور میری دو بیویوں میں سے ایک سے نکاح کرلیں، عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ نے سُنا تو بے اختیار حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں دعا فرمائی۔

(بخاری ج ۱ ص ۵۶۱)

◆◆◆

مسلمان معاشرے کا بہترین گھر

(۳۷)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:
خَیْرُ بَیْتٍ فِی الْمُسْلِمِیْنَ بَیْتٌ فِیْهِ یَتِیْمٌ یُحْسَنُ اِلَیْهِ،
وَشَرُّ بَیْتٍ فِی الْمُسْلِمِیْنَ بَیْتٌ فِیْهِ یَتِیْمٌ یُسَآءُ اِلَیْهِ۔ (ابن ماجہ)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ؐ نے ارشاد فرمایا۔ مسلمانوں میں سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جارہا ہو اور مسلمانوں میں بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جارہا ہو۔"

مسلمان معاشرے میں اگر کسی گھر میں کوئی یتیم ہے اور گھر والے اس کے ساتھ حُسنِ سلوک کررہے ہیں، گھر میں اسے عزّت وشفقت بھی حاصل ہے اور اس کا مال بھی محفوظ ہے تو یہ شہادت ہے اس حقیقت کی کہ یہ گھر مسلمان

معاشرے کا بہترین گھر ہے اور اگر کسی گھر میں یتیم کے ساتھ بُرا سلوک ہو رہا ہے، اسے حقیر اور ذلیل سمجھا جا رہا ہے، ہر وقت دھتکارا جا رہا ہے، اور اس کے مال کو ہڑپ کیا جا رہا ہے یا برباد کیا جا رہا ہے تو یہ شہادت ہے اس بات کی کہ یہ مسلمان معاشرے کا بدترین گھر ہے۔

قرآن و سنت میں یتیموں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی انتہائی تاکید کی گئی ہے۔ نزولِ قرآن سے پہلے بھی یتیموں کے ساتھ نہایت ذلت کا سلوک ہوتا تھا اور آج بھی اس کمزور مخلوق کے ساتھ انتہائی حقارت کا برتاؤ ہوتا ہے۔

اسلام تاکید کرتا ہے کہ ان کے مال و جائداد کی حفاظت کی جائے۔ ممکن ہو تو اس کو بڑھانے کی کوشش کی جائے۔ اور ان کے مال و جائداد کو ضائع کرنے اور ہڑپ کرنے کو بدترین جرم قرار دیا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ (النساء ۱۰)

"جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں درحقیقت وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور وہ لازماً جہنم کی بھڑکتی آگ میں جھونکے جائیں گے۔"

حضرت جابرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا "یارسول اللہ! میں اپنے زیر نگرانی یتیم کو کس صورت میں مار سکتا ہوں"؟ ارشاد فرمایا "جس بنا پر تم اپنے بچے کو سزا دیتے ہو، اسی بنا پر اسے بھی سزا دے سکتے ہو۔ لیکن تم ایسا نہ کرنا کہ تم اس کے مال کے بل بوتے پر اپنا مال بچانے کی کوشش کرو اور نہ اسکے مال میں سے کچھ سمیٹنے اور جمع کرنے کی کوشش کرنا۔"

یہ حدیث واضح انداز میں بتاتی ہے کہ مسلمان گھرانوں میں یتیم کے ساتھ حُسنِ سلوک کا کیا مطلب ہے۔ خواہ وہ یتیم اپنا رشتہ دار ہو یا کوئی غیر اور اجنبی ہو۔ یتیم کی نگرانی اور تربیت اسی توجہ، شفقت اور دردمندی کے ساتھ کی جائے۔ جس طرح اپنے بچے کی تربیت اور نگرانی کی جاتی ہے۔ اور اس کے مال و جائداد کی اُسی طرح حفاظت کی جائے۔ جس طرح اپنے مال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ یتیم کے مال کے بل بوتے پر اپنے مال کو بچانے اور محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے۔

یتیم کی کفالت اور حسنِ سلوک کی ترغیب دیتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا وہ اجر اور صِلہ بتایا ہے۔ جو ایک مومن کی سب سے بڑی تمنا ہو سکتی ہے، یعنی جنت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کی سعادت۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

''جو شخص اپنے یا کسی اور کے یتیم کی کفالت کرے گا۔ وہ جنت میں میرے ساتھ اس طرح رہے گا۔'' آپ نے کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ فرمایا اور دونوں کے درمیان ذرا سا فاصلہ رکھا۔ (بخاری)

◆◆◆

خدمتِ خلق

(۳۸)

عَنِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ خَلْقًا خَلَقَهُمْ لِحَوَائِجِ النَّاسِ یَفْزَعُ النَّاسُ اِلَیْهِمْ فِیْ حَوَائِجِهِمْ اُوْلٰٓئِكَ الْاٰمِنُوْنَ مِنْ عَذَابِ اللهِ۔ (ترغیب وترہیب بحوالہ طبرانی)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، خدا کے کچھ بندے وہ ہیں جنھیں خدا نے لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ہی پیدا کیا ہے، لوگ اپنی ضرورتیں پوری کرانے کے لئے ان کے پاس جاتے ہیں۔ یہ لوگ قیامت کے روز اللہ کے عذاب سے مامون ومحفوظ رہیں گے''

ہر معاشرے میں خدا کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جو عام طور پر لوگوں کے کام آتے ہیں اور لوگ اپنی اپنی ضرورتوں کے لئے ان کے پاس پریشان ہو کر اور فریادی بن کر پہنچتے ہیں، ایسے لوگوں کے متعلق دو باتیں فرمائی گئی ہیں۔

ایک یہ کہ جن لوگوں کو خدا نے یہ مقام عظمت بخشا ہے کہ لوگ ہر طرح کی ضرورتیں لئے ان کے پاس پہنچتے ہیں، اور انکی ذات کو مقبولیت اور مرکزیت حاصل ہے وہ اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کریں کہ یہ عظمت وشرف انہیں خدا نے ہی عطا کیا ہے حدیث کے الفاظ ہیں خَلَقَهُمْ لِحَوَائِجِ النَّاسِ "اللہ نے انھیں لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ہی پیدا کیا ہے"۔ یعنی خدا نے ہی انھیں اثر ورسوخ بخشا ہے خدا نے ہی انھیں دولت وثروت سے نوازا ہے۔ خدا نے ہی ان کی زبان وشخصیت میں اثر دیا ہے۔ خدا نے ہی ان کو اس افتادِ طبع اور اس مزاج سے نوازا ہے اور خدا نے ہی ان کی ذات کو یہ مرکزیّت عطا فرمائی ہے کہ لوگ انکی طرف رجوع ہوں اور اپنی ضرورتوں میں ان سے مدد چاہیں، اس لئے وہ اپنے کو بڑی چیز سمجھ کر کبر وغرور میں مبتلا نہ ہوں، اپنی طرف لوگوں کا غیر معمولی رجوع دیکھ کر اکتائیں نہیں، ان کے ساتھ حقارت اور ذلت کا برتاؤ نہ کریں۔ خوشی خوشی ان کی ضرورتیں پوری کریں۔ خندہ پیشانی اور کشادہ دلی سے

ان کا ہر کام پورا کرنے کی کوشش کریں، اُکتانے اور جھنجھلانے کے بجائے خدا کا شکر ادا کریں کہ اللہ نے لوگوں کے کام آنے کی توفیق بخشی اور اس لائق بنایا کہ وہ لوگوں کی ضرورتیں پوری کرسکیں۔ خدا نے آپ کو اس لائق بنایا ہے تو ایک وفادار اور خود شناس بندے کی طرح آپ کا کام یہی ہے کہ جب معاشرے کے عام لوگ کثرت کے ساتھ آپ کی طرف رجوع ہوں، طرح طرح کی مشکلات اور گوناگوں ضروریات اور مسائل آپ کے سامنے رکھیں تو آپ کے ماتھے پر شکن نہ آئے۔ آپ اکتائیں نہیں۔ جھنجھلا کر زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکالیں کہ ”کیا معاشرے میں، میں ہی رہ گیا ہوں۔ میرا ہی گھر تم نے دیکھا ہے۔“ اس لئے کہ یہ اس مقام عظمت کی ناقدری ہے جس پر خدا نے آپ کو سرفراز کیا ہے۔ آپ کی شان یہی ہونی چاہیئے کہ جس قدر لوگ آپ کی طرف رجوع زیادہ ہوں اور کثرت کے ساتھ آپ کے سامنے اپنی فرمائشیں، درخواستیں، مطالبے اور ضروتیں رکھیں اور ہر وقت آپ کو گھیرے رہیں تو آپ اپنی اس سعادت پر کچھ اور دل کی گہرائی سے خدا کا شکر ادا کریں۔ اور کسی قدر اور زیادہ خندہ پیشانی سے لوگوں کی خدمت میں لگ جائیں۔

دوسری بات یہ کہ قیامت کے روز بندگانِ خدا کی خدمت میں لگے رہنے

والے یہ لوگ خدا کے عذاب سے مامون و محفوظ رہیں گے۔ مخلوق کی خدمت کا خدا کی نظر میں کیا مقام ہے۔ اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ حشر کے میدان میں جب لوگ عذابِ الٰہی کے خوف سے لرزتے ہوں گے ہر ایک پر ہول اور دہشت طاری ہو گی۔ یہ لوگ محفوظ و مامون ہوں گے۔ آخرت کے دن پر یقین رکھنے والے کے لئے اس سے بڑا انعام اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ قیامت کے روز خدا کے عذاب سے مامون و محفوظ ہو گا۔ ایک حدیث میں خدا کے رسولؐ نے ایسے لوگوں کو مخلوقِ خدا میں سب سے بہتر بتایا ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچانے میں لگے رہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچانے والا ہے۔'' جس شخص کے دل میں یہ تڑپ ہو کہ وہ رسولِ پاکؐ کی نظر میں سب سے بہتر بنے، جس کی یہ خواہش ہو کہ وہ آخرت میں عذاب الٰہی سے محفوظ رہے۔ وہ مخلوق خدا کی خدمت اس تصوّر کے ساتھ ہی نہیں کرے گا کہ یہ محض ایک سماجی ضرورت ہے بلکہ وہ دین و ایمان کا واضح تقاضا سمجھ کر اس فریضے کو ایک خدا پرست بندے کی حیثیت سے انجام دے گا اس کام کو خدا کی عبادت سمجھ کر کرے گا اور اپنے خدا کو خوش کرنے کے لئے کرے گا۔ ◆◆◆

اقامتِ دین

(۳۹)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِقَامَۃُ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰہِ خَیْرٌ مِّنْ مَّطَرِ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً فِیْ بِلَادِ اللّٰہِ۔ (ابن ماجہ، مشکوٰۃ، کتاب الحدود)

"حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی حدود میں سے کسی ایک حد کا قائم کرنا خدا کی آبادیوں میں چالیس راتوں کی بارش سے زیادہ بہتر ہے۔"

خدا کی حدود سے مراد خدا کے احکام وقوانین ہیں جن کے مجموعے کا نام اسلام ہے۔ اسلام انسانیت کیلئے سرتا سر رحمت ہے۔ اللہ کی ایک حد قائم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا کوئی ایک حکم خدا کے بندے ماننے لگیں اور انکی زندگیوں میں وہ نافذ و جاری ہو جائے ایک حکم کے نفاذ کی خیر و برکت چالیس رات کی بارش سے زیادہ ہے تو تصور کیجئے اُس سماج کی خیر و برکت آسائش و

سہولت، سکون و اطمینان اور امن و آشتی کا جس میں پورا اسلام اپنی تمام برکات اور فیوض کے ساتھ قائم ہو اور خدا کے بندے اپنی پوری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس کے احکام و قوانین کی مخلصانہ اطاعت کر رہے ہیں۔

خدا کے حدود وہی بندے قائم کر سکتے اور قائم رکھ سکتے ہیں، جو خود اپنی زندگی میں ان حدود اور قوانین کی کامل اتّباع کریں اور قول کے ساتھ ان کا عمل اور ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی بھی یہ شہادت دے کہ واقعی یہ حدود و احکام بندگانِ خدا کے حق میں سرتا سر خیر و برکت اور رحمت ہیں مگر یہ کام انہی جوانمردوں کا ہے جو ہر حال میں خدا اور رسولؐ کے وفادار ہوں، اور جو اس وقت بھی قرآن و سنّت کی اتّباع اور دین کی حفاظت و اقامت ہی کو اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھیں۔ جب دنیا دین سے بے تعلق ہو رہی ہو، دین کی قدریں پامال ہو رہی ہوں اور رسولؐ کی سنتیں مٹ رہی ہوں۔ یقیناً ایسے اولوالعزم اور حوصلہ مند بندوں کے لئے زبردست اجر و انعام ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ ”جس نے میری امت کے فساد کے وقت میری ایک سنّت کو مضبوطی کے ساتھ تھاما اس کے لئے سو شہیدوں کا اجر و ثواب ہے۔“ (مشکوٰۃ)

◆◆◆

نفاق اور جہنّم سے محفوظ بندہ

(۴۰)

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْ لُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ صَلّٰى اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِيْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَ تَانِ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَ بَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ۔" (جامع ترمذی)

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جس شخص نے چالیس دن تک مسلسل جماعت کے ساتھ اس طرح نماز ادا کی کہ وہ تکبیر اولیٰ سے جماعت میں شریک رہا اس کے لئے دو چیزوں سے برأت اور حفاظت کا فیصلہ ہو گیا۔ جہنّم کی آگ سے برأت و حفاظت اور نفاق سے برأت و حفاظت۔"

دینی اعمال میں نماز پورے دین کا سر چشمہ ہے۔ نماز آدمی کو برائیوں سے

روکتی بھی ہے اور پوری زندگی میں خدا کی بندگی کے لئے تیار بھی کرتی ہے۔ دین میں نماز کا مقام وہی ہے جو جسمِ انسانی میں سر کا ہے۔ نماز کا قیام دراصل دین کا قیام ہے اور جو شخص نماز کی حفاظت نہیں کرسکتا وہ ہرگز دین کا پیرو نہیں ہوسکتا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے گورنروں کو لکھا تھا۔

"تمہارے سارے کاموں میں سب سے بڑھ کر اہمیت میرے نزدیک نماز کی ہے جس نے نماز کی حفاظت کی اور اس کی دیکھ بھال کرتا رہا اس نے اپنے پورے دین کی حفاظت کی، اور جس نے نماز کو ضائع کر دیا، تو وہ دوسری دینی چیزوں کو اور زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔"

نماز کی یہ اہمیت اور عظمت سامنے رہے تو اس بات کو سمجھنے کے لئے کسی دلیل وحجت کی ضرورت نہیں رہتی کہ نماز کی پابندی اور حفاظت کرنے والا شخص یقیناً جہنم سے بھی محفوظ ہے اور نفاق سے بھی۔

اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سادہ انداز میں محض یہ بات نہیں سمجھائی بلکہ پیغمبرانہ بصیرت وحکمت کے ساتھ ایک ایسا محرّک سامنے رکھا اور ایسی

کامیاب تدبیر بتائی کہ ہر مسلمان کے اندر پابندِ نماز بننے کا شوق بھی پیدا ہو اور اس عملی تدبیر سے وہ واقعی نماز کا پابند بھی بن جائے ــــ جو شخص چالیس روز تک مسلسل پابندی کے ساتھ نمازِ باجماعت ادا کرے گا، ہر نماز میں تکبیرِ اولیٰ سے جماعت میں شریک ہوگا اور اس نیت اور ارادے سے کہ خدا اُسے نفاق اور جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے تو توقع یہی ہے کہ ایسا شخص چالیس دن کے اس اہتمام کی برکت سے ضرور نماز کا پابند اور محافظ بن جائے گا، اور خدا ضرور اسے نماز کی حفاظت و اقامت کی توفیق عطا فرمائے گا، جس کا یقینی صِلہ آتشِ جہنم سے حفاظت اور نفاق سے برأت ہے۔

پھر اس حدیث سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ نماز کی حفاظت اور پابندی کرنے والے مومن کی زندگی میں تضاد نہیں ہوگا۔ ایسا نہیں ہوگا کہ مسجد میں تو وہ خدا کی مخلصانہ بندگی کرے، اور مسجد کے باہر کی زندگی میں وہ کسی دوسرے کی اطاعت کرے۔ وہ ہر معاملے میں اور زندگی کے ہر میدان میں اپنے رب کی مخلصانہ بندگی کرے گا۔ اس لیے کہ نماز کی حفاظت اور پابندی کی بدولت اس کی زندگی ہر تضاد اور منافقت سے پاک ہوگی۔ ◆◆◆